فقہ حنفی کی معروف ومشہور کتاب "رد المحتار علی الدر المختار" المعروف فتاویٰ شامی
پر مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے
حاشیہ کی اغراض ومقاصد پر تحقیقی مقالہ بنام

اِیضَاحُ الاُسرَارِ لِجَدِّ المُمتَارِ

یعنی

جد الممتار کی تشریح وتوضیح

کتاب الصلوٰۃ از ابتداء، مقولہ نمبر 750 تا 825

مقالہ نگار
محمد ابرار الحق بن بشیر احمد تخصص فی الفقہ الحنفی (سال دوم)

نگران مقالہ
مفتی ابو الحسن محمد ہاشم خان عطاری مدظلہ العالی

پیشکش: مجلسِ افتاء (دعوتِ اسلامی)

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
01	مقدمہ	06
02	اغراضِ جد الممتار	13
03	باب اول: کتاب الصلاۃ	17
04	جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو اسے نماز کے لیے مارا جائے گا، تو کیا روزے کا بھی یہی حکم ہے؟	17
05	وہ عبادات جن کو بجالانے سے غیر مسلم مسلمان ہو جائے گا۔	19
06	اوقات الصلاۃ	20
07	طلوع فجر کی پہچان	20
08	دونوں اقوال میں تطبیق	21
09	فجر کے اول و آخر وقت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔	23
10	صبح کاذب کی پہچان کیسے ہو؟	24
11	ظہر کا آخری وقت سایہ اصلی کے علاوہ سائے کے دو مثل ہونے تک ہے۔	29

12	سایہ اصلی جگہ اور زمانے کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے۔	37
13	زوال کا وقت معلوم کرنے کے طریقے	38
14	ظہر کا آخری وقت معلوم کرنے کا طریقہ	39
15	اگر بعد غروب سورج دوبارہ لوٹ آئے، تو عصر کا حکم	41
16	فاقدو وقت العشاء کاھل البلغار	43
17	جن ممالک میں عشاء کا وقت نہیں آتا، وہاں عشاء کی نماز لازم ہو گی یا نہیں؟	47
18	وجوب وعدم وجوب میں کون سا قول زیادہ قوی ہے؟	50
19	ان علاقوں میں روزے اداء ہوں گے یا قضاء؟	56
20	ظہر میں مکروہ وقت ہے یا نہیں؟	58
21	باعتبار وقت جمعہ ظہر کی طرح ہی ہے	62
22	جمعہ میں ابراد سنت ہے	64
23	سورج کی مختلف حالتوں کا بیان	65
24	سورج کے متغیر ہونے کی علامات	69
25	عشاء کی نماز کے بعد بات چیت میں مشغول ہونا	71

26	مغرب کا مستحب وقت	75
27	طلوع شمس کی پہچان کیسے ہو؟	76
28	مکروہ اوقات میں نماز پڑھنے کا حکم	83
29	عوام کو مکروہ اوقات میں نماز پڑھنے سے نہ روکا جائے۔	83
30	زوال کا مکروہ وقت کب سے کب تک ہے؟	85
31	حدیث میں ”لا تمنعوا“ سے مراد عوام ہیں نہ کہ خواص	88
32	عصر مکروہ وقت میں پڑھیں، تو نماز مکروہ ہوگی یا فعل مکروہ ہے؟	89
33	مکمل نماز فجر کو طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنا ضروری ہے؟	91
34	سنت فجر کب تک پڑھ سکتے ہیں؟	96
35	وہ اوقات جن میں نوافل، نذر کی نماز، طواف کی نماز وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔	97
36	**باب دوم: اماکن الصلوۃ**	101
37	جمع بین الصلاتین	104
38	صحیحین میں جمع بین الصلاتین کی روایت کی تنقیح	104
39	**باب سوم: باب الاذان**	108

40	شہر میں اذان کی شرعی حیثیت	108
41	اذان ہر محلے والوں پر سنت موکدہ ہے؟	108
42	جماعت، تنہا، سفر، ان مختلف حالتوں میں نماز کے لیے اذان کی شرعی حیثیت	111
43	کب اذان دینا سنت نہیں؟	113
44	اذان و اقامت دونوں میں دائیں بائیں التفات کیا جائے گا؟	115
45	اذان و اقامت میں بعد والے کلمات کو پہلے پڑھ دیا تو کیا حکم ہو گا؟	116
46	دوران اذان مؤذن کے لیے چھینک پر الحمد کہنے کا حکم	117
47	بعد اذان درود سلام کا پس منظر	118
48	اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام کب شروع ہوا؟	118
49	فوت شدہ نمازوں کے لیے اذان و اقامت کا حکم	121
50	مسجد کے اندر قضاء پڑھنا مکروہ ہے	125
51	فہرست احادیث	127

مقدمہ

فقہ حنفی میں علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کی انتہائے نگارش و حاصلِ تفقہ "ردالمحتار" کی حیثیت خاتم التصانیف کی سی ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ائمہ مذہب سے لے کر 12ویں صدی تک فقہ حنفی پر جتنی بھی کتب تحریر فرمائی گئیں، ردالمحتار ان کا مجمع الفیوض اور عطرِ تحقیق ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی ہی دقیق بینی، نکتہ فہمی، قوت استحضار و استنباط اور بیدار مغزی کے ساتھ ردالمحتار کو دلائل و جزئیات سے مبرہن و آراستہ فرمایا کہ موافقین کی آنکھیں اسے دیکھ کر ٹھنڈی ہوتی ہیں اور مخالفین دم بخود رہ جاتے ہیں۔

"ردالمحتار" (فتاویٰ شامی) اپنی فقہی شان، جلالتِ فکر اور جامعیت و کاملیت میں پختگی کے باوجود فقہِ حنفی کے اُفق پر وہ روشن جگمگاتا ستارا اور جبل فقہ پر قائم ایسا بلند مینارا ہے، جو بعض جہات میں روشنی بکھیرنے کے لیے تاحال اپنی تنویر کا محتاج تھا۔ علامہ شامی رحمۃاللہ علیہ جیسے خاتم المحققین نے جس انوکھی دأبِ فکر اور اچھوتی طرزِ تحقیق کی طرح ڈالی تھی، اسے مزید نکھار دینے اور زیادہ اعتبار بخشنے، نیز تنقیح و تطبیق اور توضیح و توجیہ کے کارِنا تمام کی تکمیل اور تحقیق کی تشنہ کامیوں کی بھرپور سیرابیوں کے لیے قدرت نے کچھ ایسا عجب اہتمام فرمایا، اور ﴿فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾ کا ایسا عمدہ نظارہ کروایا کہ امامِ اہل سنت، مجددِ دین وملت، مولانا الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن علمی کائنات کے مطلع پر آفتاب بن کر طلوع ہوئے۔

امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے مطالعہ ٔردالمحتار کے دوران اپنے مخصوص نسخے پر جو حواشی قلمبند فرمائے، وہ محض چند نوٹس (Notes) نہ تھے بلکہ "کَمْ تَرَکَ

Go To Index

الْاَوَّلُوْنَ لِلْاٰخِرِیْن" کا زندہ جاوید ثبوت تھے۔ امامِ اہل سنت نے اپنے قلمِ معجز نما سے ان تشنہ مقامات کو علم و حکمت کے انمول جواہر سے با حسن طور پر مزین کیا۔ جن مسائل کو صدیوں سے تحقیق کی حاجت تھی، وہاں آپ نے ایسی نادر اور اچھوتی ابحاث پیش فرمائیں کہ اگر انہیں انتہائے **تحقیق** اور فقہ کا حرفِ آخر قرار دیا جائے تو یہ محض مبالغہ نہیں، بلکہ عین حقیقت ہو گا۔ یہ حواشی در حقیقت فقہ کے سمندر سے نکالے گئے وہ لعل و گہر ہیں جن کے بغیر عروس فکر بغیر گہنوں کے رہ جائے گی۔

امام اہلسنت نے جد الممتار میں ردالمحتار کی عبارات پر جو حواشی و تعلیقات تحریر فرمائی ہیں ان کے مقاصد و اغراض میں بہت تنوع اور وسعت پائی جاتی ہے۔ کہیں بحث شامی کی تائید ہے، تو کہیں تردید، کہیں اشکال تو کہیں جواب و دفعِ اشکال، کہیں معارضہ کیا ہے، تو کہیں دفاع و انتصار فرمایا ہے، کہیں تشریح و توضیح مقصود ہے تو کہیں تحریر و توجیہ، کہیں تنقیح ہے تو کہیں تطبیق یا ترجیح، کہیں مفتی بہ قول پر تنبیہ ہے، تو کہیں غیر مفتی بہ کی تضعیف، کہیں فرضیت و وجوب و استحباب کی وضاحت ہے، تو کہیں کراہتِ تحریمی و تنزیہی کی صراحت، کہیں کسی حکم میں نقص کا نشان دیا ہے تو کہیں کسی قید کے فوائد و ثمرات کا بیان کیا ہے، کہیں دلیل شرعی و علت فقہی واضح کی ہے، تو کہیں کسی مسئلے کی اصل ظاہر کی ہے، کہیں مسئلہ کا حوالہ و ماخذ بتایا ہے، تو کہیں غلط انتساب کا درست مرجع بتایا ہے، کہیں مسئلے کی صورتوں کا احاطہ کیا ہے، تو کہیں مختلف ابحاث کو جامع انداز سے بیان کر کے سمیٹا اور انہیں ایک خوبصورت نظم میں پرویا ہے؛ وغیرہ۔ (آسانی کی خاطر "اغراضِ جدالممتار" کو ترتیب کے ساتھ مقدمے کے آخر میں بیان کر دیا ہے، وہاں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔)

Go To Index

انہی مذکورہ خوبیوں کی بنا پر ہی یہ ہوا کہ جب یہ حواشی و تعلیقات ایک کتاب کی صورت میں علمائے حرمین طیبین کی بارگاہ میں پیش کیے گئے، توانہوں نے اس کی جلالتِ شان و عظمتِ مکان سے متاثر ہو کر مصنف کے بارے میں فرمایا: "لو رآھا ابو حنیفہ نعمان لاقرّت عینہ ویجعل مؤلفھا من جملۃ الاصحاب" یعنی اگر اسے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دیکھ لیتے تو ضرور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، اور ان کے لکھنے والے کو ضرور اپنے تلامذہ و اصحاب میں شمار فرماتے۔

مگر ان سب کے باوجود جد الممتار ایک طرح سے گنجِ مخفی کی حیثیت سے تھی کہ امام اہلسنت نے اس مقدس تصنیف میں تحقیق و تدقیق کے جو گراں قدر و بے بہا موتی ودیعت کیے ہیں ان تک فکر کی رسائی تاحال محتاجِ رہنمائی ہے۔ لہٰذا ان رشحات قلم کو سہل اور آسان انداز میں پیش کرنے اور ان گوہر ہائے مخفی تک پہنچنے کے لیے کسی ایسی کتاب کی ضرورت تھی کہ علماء تو علماء بلکہ ان کی صحبت میں بیٹھنے والی عوام بھی اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

نیز تخصص فی الفقہ (Specialization in Jurisprudence) کے طلبائے کرام کے نصاب میں ردالمحتار خصوصی طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ ردالمحتار کی ابحاث سمجھنے اور اس کی کامل فہم و بصیرت حاصل کرنے کے لیے جد الممتار شریف کا مطالعہ انتہائی ناگزیر ہے۔ گویا اگر رد المحتار ایک ڈھانچہ ہے، تو جد الممتار اس میں روح کی طرح ہے جو اس کے خشک علمی مباحث میں فہم و ادراک کی زندگی پھونک دیتی ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ رد المحتار ایک ایسا مقفل خزانہ ہے جس میں علم کے موتی بھرے ہوئے ہیں، اور جد الممتار اس خزانے کی وہ کلید ہے، جس کے بغیر ان جواہر تک رسائی دشوار ہے۔ لہٰذا کتاب میں موجود پیچیدگیاں حل کرنے کے لیے طلبائے کرام کو خواہی

Go To Index

نخواہی جد الممتار کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

تاہم جد الممتار علم کا وہ سورج ہے، جس کی تپش اور روشنی بہت تیز تھی۔ عام طالبِ علم کی علمی بصارت اس کی براہِ راست تاب لانے سے قاصر تھی۔ لہذا اس کی بھی تشریح و توضیح کی حاجت درپیش ہوئی تاکہ وہ تشریح لطیف بادل بن کر آنکھوں کو اس آفتابِ علم کی روشنی سے خیرہ کن ہونے کے بجائے ٹھنڈا اور نفع بخش بنادے۔ اس کام کے لیے حاجت تھی کہ کوئی ماہر فقیہ اردو میں اس کی تشریح و توضیح و تسہیل اس انداز سے کردے کہ شامی کے جن مقامات پر جد الممتار کا حاشیہ موجود ہے دونوں کو ملا کر عمدہ انداز سے ایک خلاصہ بن جائے، تاکہ طلباء آسانی سے اپنا مطلوبہ مقام اچھے انداز سے سمجھ سکیں۔ انہی ضروریات و مقاصد کے پیشِ نظر شیخ الحدیث والفقہ مفتی محمد ہاشم خان عطاری زید مجدہ نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا اور اس پر کچھ سال قبل (2023) سے باقاعدہ اپنی زیرِ نگرانی کام کروانا شروع کیا۔ مفتی صاحب چونکہ ایک ماہر فقیہ ہونے کے ساتھ امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے محب اور عاشق صادق بھی ہیں اور جب کوئی محب اپنے محبوب کے کلام و تحریر کی شرح کرتا ہے، تو وہ صرف تشریح نہیں کر رہا ہوتا، بلکہ اپنے جذبات کا نذرانہ پیش کر رہا ہوتا ہے، اور دل کی گہرائیوں اور عقل کی بلندیوں سے کلامِ محبوب کو سمجھ کر مرادِ محبوب کو واضح کرتا چلا جاتا ہے کہ جس سے پڑھنے، سننے والوں پر جہاں مقفل علمی ابواب وا ہوتے ہیں، وہیں اس کے محبوب کی عظمت و شان کے معترف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کیوں کہ عشق و علم کے اس سنگم میں قلم کی روشنائی دل کے لہو سے کشید کی جاتی ہے۔ تو پھر اس کام کے ادھورا یا نامکمل رہ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا بحمد اللہ تسلسل اور مستقل مزاجی کے ساتھ یہ کام جاری رہا۔

Go To Index

کام کا انداز کچھ یوں تھا کہ " مفتی صاحب قبلہ کی علمی شخصیت جہاں دارالافتاء اہل سنت کی مسندِ تصدیق کا وقار ہے، وہیں مسندِ تدریس پر آپ کا وجودِ مسعود غنیمتِ وقت ہے۔ آپ ایک طرف "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" (بخاری شریف) کے درس میں قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداؤں سے فضائیں معطر فرمارہے ہیں، تو دوسری طرف تخصص کے پیچیدہ علمی درجات میں اصولی کلاموں اور فقہی موشگافیوں کی گرہ کشائی بھی فرماتے ہیں۔ اسی علمی گہما گہمی کے بیچ، آپ نے اپنے تخصص کے تلامذہ کی ایسی جوہر شناس تربیت فرمائی کہ انہیں "جد الممتار" جیسی عظیم کتاب کی خدمت کے مقدس فریضے میں اپنا دست و بازو بنا لیا۔ ابتداءً مفتی صاحب نے تخصص فی الفقہ سال دوم کے طلبائے کرام کو کئی مقامات سے سبقًا سبقًا جد الممتار بذاتِ خود پڑھائی، اس کا اسلوب سمجھانے کے ساتھ ساتھ "اغراضِ جد الممتار" کو بھی واضح کیا، پھر اگلے دنوں میں طلبائے کرام سے وہ پڑھے ہوئے اسباق باقاعدہ سنتے بھی رہے تاکہ طلباء کو کام کا انداز معلوم ہو جائے۔ بعد ازاں طلبائے کرام میں جد الممتار کی مخصوص جلدوں اور مخصوص مقولہ جات کی تقسیم کاری کر دی گئی کہ وہ ان کی تشریح و توضیح کا کام سر انجام دیں۔ یوں تیار شدہ طلباء کی وہ جماعت جب جاں فشانی اور عرق ریزی سے تیار کردہ مسودات آپ کی بارگاہ میں پیش کرتی، تو آپ کی مصلحانہ نظرِ کیمیا اثر ان کی تصحیح فرماتی، جہاں تشنہ لبی محسوس ہوتی وہاں اپنے زریں افکار کے اضافوں سے ان تحریروں کو "نورٌ علیٰ نور" کر دیتی، اور ان ادھورے نقوش میں کمالِ فن کا رنگ بھر دیتی۔ یوں استاذ و شاگردان کی یہ مشترکہ کاوش علم و محبت کے ایک ایسے سنگم میں بدل گئی جہاں ہر لفظ عقیدت و حقیقت کا آئینہ دار بن گیا۔

Go To Index

جد الممتار کی سات جلدوں پر کام تخصص فی الفقہ سال دوم کے علمائے کرام نے کیا جس میں تخصص فی الفقہ سال دوم جوہر ٹاؤن لاہور کے علمائے کرام کے ساتھ ساتھ مُلک رضا (ہند) کے دارالافتاء اہلسنت اور سال دوم کے علمائے کرام نے بھی حصہ لیا۔ سب سے پہلا کام 2023 میں جد الممتار کی چوتھی، پانچویں اور چھٹی جلد پر ہوا، چوتھی جلد کا کام ہند سال دوم (2023) کے علمائے کرام نے کیا، جبکہ پانچویں اور چھٹی جلد کا کام جوہر ٹاؤن سال دوم (2023) کے علمائے کرام نے کیا۔

اس کے بعد 2024 میں جلد اول، دوم اور ہفتم کا کام اس سال، سال دوم جوہر ٹاؤن اور ہند دارالافتاء اہلسنت کے معاونین علمائے کرام نے کیا۔ اور آخری کام 2025 میں ہوا جو جد الممتار جلد سوم کی تسہیل وتوضیح پر مشتمل تھا، یہ کام 2025 سال دوم جوہر ٹاؤن کے علمائے کرام نے کیا۔

جب تمام جلدوں کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا تو اس کے حسن کو جلا بخشنے، حتمی نوک پلک سنوارنے اور دقیق نظر ثانی کے لیے اسے دارالافتاء اہلسنت کے دو علمائے کرام، مولانا رحمت مدنی اور مولانا حماد مدنی زید مجدھما کے سپرد کیا گیا۔ ان دونوں حضرات نے باریک بینی سے تمام مقالہ جات کا مطالعہ فرمایا۔ انہوں نے جہاں کہیں ضرورت محسوس کی اصلاح و تصحیح کے ساتھ ساتھ علمی اضافات فرمائے، جس نے اس تالیف کی افادیت مزید بڑھادی۔

جب یہ علمی شاہکار کا مذہّب شہ پارہ اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ ان تمام مراحل سے گزر کر کندن بن گیا، تو حتمی زیبائش و آخری آرائش کے لیے اسے فقیہِ عصر، مفتیِ دعوتِ اسلامی، حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم خان عطاری مدظلہ العالی کی بارگاہِ عالی میں پیش کر دیا گیا۔ آپ کی نکتہ

Go To Index

رس طبیعت اور عبقری نگاہوں نے اس مجموعے پر طائرانہ نہیں، بلکہ ایک ایک گوشے پر مدققانہ و محققانہ نظر فرمائی؛ کہیں ترتیب کی زلفوں کو سنوارا، تو کہیں اپنے افکارِ تازہ کے قیمتی حواشی سے اس کی علمی قدر کو بڑھایا۔ آپ کی فائنل نظرِ عنایت کے بعد یہ گراں مایہ علمی ذخیرہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر آج آپ کے ہاتھوں میں جلوہ گر ہے۔ افادیت کے پیش نظر ابتدائی طور پر جد الممتار کی تیسری جلد کا کام پیش کیا جارہا ہے، کہ اس کا زیادہ تر حصہ نماز کے مسائل پر مشتمل اور خاص و عام کی ضرورت ہے۔

دعا ہے کہ ربِ ذوالجلال اس سعیِ مشکور کو امتِ مسلمہ کے لیے مشعلِ راہ بنائے اور اس کارِ خیر میں شامل خصوصا استاذ العلماء مفتی محمد ہاشم خان صاحب اور عموما ہر ایک قلم کار، محقق اور معاون کے لیے اسے توشۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ کر دے۔ الٰہی! اس خدمتِ دین کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرما کر ہمیں امامِ اہلسنت کے فیضان سے تادمِ زیست وابستہ رکھ۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

از: محمد ابرار الحق مدنی عطاری

Go To Index

اغراضِ جد الممتار

1. مشار الیہ مقام کی تعیین اور بسا اوقات اس جزئیہ کی عبارت کو بھی ذکر کر دینا۔
2. مفتی بہ قول کی نشاندہی۔
3. مسئلہ کی علت بیان کرنا۔
4. مسئلہ کی تصحیح ذکر کرنا۔
5. مسئلہ کی تمام صورتوں کے حاصل کو بیان کرنا۔
6. علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کا رد کرنا۔
7. علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ علت کا رد کرنا۔
8. اختلافی مسئلے میں اپنے مؤقف کو بیان کرنا۔
9. علامہ شامی کے تسامح کی نشاندہی۔
10. مطلق حکم کی قیودات بیان کرنا۔
11. حکم مسئلہ کی مزید تحقیق و تنقیح۔
12. بظاہر دو متعارض مسائل کی تطبیق و توجیہ بیان کرنا۔
13. مزید افادے بیان کرنا۔
14. ضمائر و مراجع کی تعیین کر دینا۔
15. مذکورہ مسئلہ پر وارد ہونے والے اشکال کو ذکر کرنا۔
16. اعتراض مقدر کا جواب دینا۔

Go To Index

17. کتب معتبرہ سے مسئلہ کی تائید وماخذ بیان کرنا۔

18. اپنی تحقیق کی طرف اشارہ کرنا۔

19. مسئلہ پر اپنی دوسری تصنیف میں موجود بحث کی نشاندہی کرنا۔

20. شارح کی خطا فی النقل بیان کرنا اور درست مسئلہ ذکر کرنا۔

21. مجمل یا ذو معنی لفظ کی تعیین وتشریح کرنا۔

22. مجمل اور پیچیدہ بحث کی آسان اور واضح توضیح وتلخیص کرنا۔

23. مبہم عبارت یا حکم کی وضاحت کرنا۔

24. مفید بحث کی طرف اشارہ کر دینا۔

25. اصطلاح کی تعریف بیان کرنا۔

26. اصطلاح کی وضاحت کرنا۔

27. درمختار کے بیان کردہ مسئلہ سے ملحقہ مسئلہ بیان کرنا۔

28. علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید کرنا۔

29. حکم مزید کا استخراج کرنا۔

30. کسی مسئلہ کی تخریج کر دینا۔

31. فقہی اصول بیان کرنا۔

32. بیان کردہ مسئلہ کی مثال بیان کرنا۔

33. کسی قول کے قائل کو بیان کرنا۔

Go To Index

34. عبارت کی نحوی تحقیق۔

35. جزوی بات سے کلی مفہوم وضع کرنا۔

36. کلام محشی پر استدراک۔

37. تفصیل کے لئے شامی کے دوسرے مقام کی نشاندہی۔

38. نفس مسئلہ کی آسان انداز میں تفہیم کرنا۔

39. مسئلہ میں اختلاف ائمہ کو بیان کر دینا۔

40. عبارت کی مختلف جہات کا بیان۔

خلاصہ:

اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدّد دین وملت، حامی سنت، ماحی بدعت، الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مایہ ناز حاشیہ جد الممتار شریف میں فکر انگیز تحقیق، جزئیات کی فراہمی اور استخراج، لغزشوں پر تنبیہ، حل اشکالات اور جوابِ اعتراضات، فقہی تبحر اور وسعتِ نظر، تحقیق طلب مسائل کی تنقیح، مراجع کا اضافہ، مشکلات ومبہمات کی توضیح، غیر منصوص احکام کا استنباط، حدیث سے مسئلہ کا استنباط واستدلال، دلائل کی فراہمی، مختلف اقوال میں تطبیق، مختلف اقوال میں ترجیح، اصول وضوابط کی ایجاد، ایجاز واختصار، مختلف عبارات کا باہمی ربط، مفتی بہ قول کی وضاحت، افادے، عبارت کی تصحیح، حکم مسئلہ کی دیگر کتب سے تائید وغیرہ فرمائی۔

نیز مذہب امام کی وضاحت کرنا، کسی امام کی روایت نادرہ کی وضاحت کر دینا، بطور تحقیق کسی محقق کا رد، اپنی بیان کردہ تحقیق کا خلاصہ بیان کرنا، کسی کتاب کی صریح عبارت سے شارح و

Go To Index

محشی رحمہما اللہ کے اخذ کردہ مسئلہ مع حکم کی تصویب و تائید کا بیان۔ کسی کتاب کے نسخوں میں چند الفاظ کے فرق کا بیان۔ قائل کی نشاندہی، بیان کردہ تشریح کا اصل ماخذ اور خطا فی النقل کی تصحیح و تنقیح کا تفصیلی بیان۔ ردالمحتار میں منقول مسئلہ کی باعتبار صفحہ تخریج کا بیان۔ ماقبل مذکورہ بحث سے مسئلہ کا استنباط، مستنبط شدہ مسئلہ پر ہونے والے اشکال و جواب کا بیان، علامہ شامی کے بیان کردہ مسئلہ کے اصل ماخذ کا بیان، ردالمحتار میں مذکور جواب کے مجیبین کے اسماء کی صراحت کرنا، ردالمحتار میں منقول غلط عبارت کی تصحیح کرنا، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے طویل کلام کے خلاصہ وماحاصل کا بیان، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ مسئلہ کے مفہوم مخالف سے پیدا ہونے والے وہم کا ازالہ کرنا، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی پیچیدہ عبارت کی علل اور توضیح کا بیان۔

Go To Index

باب اول: کتاب الصلوۃ

مقولہ نمبر (750): جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو اسے نماز کے لیے مارا جائے گا، تو کیا روزے کا بھی یہی حکم ہے؟

صاحب تنویر الابصار نے ایک مسئلہ بیان فرمایا کہ نماز ہر مکلف پر فرض عین ہے۔ اور جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو اس کے ولی پر واجب ہے کہ وہ اس کو نماز نہ پڑھنے پر مارے (ہاتھ سے نہ کہ لکڑی وغیرہ سے)، کیونکہ حدیث مبارک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بچے جب سات سال کے ہوں تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو انہیں اس پر مارو۔" البتہ اس بچے پر نماز فرض نہیں۔

علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمۃ نے یہ بیان فرمایا: کہ میرے نزدیک نماز اور روزے کا حکم برابر ہے کہ جس طرح نماز کے لیے اسے مارنا واجب ہے، اسی طرح اگر وہ روزہ نہ رکھے، تو بھی اسے مارنا واجب ہے۔ پھر اپنی تائید میں قہستانی اور اختیار کی عبارات کو نقل فرمایا کہ جس میں ہے کہ بچے کو صوم و صلاۃ کا حکم دیا جائے گا اور شراب وغیرہ پینے سے روکا جائے گا تاکہ اسے نیکی میں الفت ہو اور شر سے رک جائے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صاحب در مختار نے جو دو کتابوں کا جزئیہ نقل کیا ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ بچے کو تمام احکامات کا حکم دیا جائے گا اور تمام منہیات سے روکا جائے گا۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: صاحب در مختار کا نماز کے مسئلہ کو روزے پر قیاس

Go To Index

کرنا درست نہیں۔ کیونکہ علامہ موھبی نے فضل العلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ: بچہ جب عاقل ہو جائے تو اس پر نماز واجب ہے، اور روزہ تب واجب ہے جب طاقتور ہو جائے اور حدود و شہادات تب واجب ہیں جب بالغ ہو جائے۔

غرض: صاحب در مختار کے قیاس کا رد۔

عربی عبارات

تنویر الابصار: "(هي فرضُ عينٍ على كلّ مكلّف وإن وجب ضربُ ابن عشرٍ عليها بِيد لا بخشبة) لحديث: ((مُروا أولادَكم بالصّلاة وهم أبناءُ سبع، واضربُوهم عليها وهم أبناءُ عشر[1]))"[2]

در مختار: "قلت: والصّوم كالصّلاة على الصحيح."[3]

جد الممتار: "أقول: لكن أخرج المَوْهبي في "فضلِ العِلْم" عن ابن عبّاس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلّى الله تعالى عليه وسلّم: ((تجب الصّلاة على الغلام إذا عقَل، والصَّوْم إذا أَطاق، والحُدود والشّهادة إذا احْتَلَم))[4]، فيه جُوَيْبَر الأَزْديّ، والله تعالى أعلم۔"[5]

1...۔(ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب: متی یومر الغلام للصلوۃ، رقم الحدیث:495)
2...۔(حصکفی، علاؤ الدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، بیروت، دار المعرفۃ، الطبع:2000ء، ص:8)
3...۔(تمر تاشی، محمد بن عبد اللہ، تنویر الابصار، دار المعرفۃ، بیروت، 2000، ج2، ص7، 6)
4...۔(جلال الدین سیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، الجامع الصغیر، رقم الحدیث:6143، شاملہ، ص6143)
5...۔(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1443ھ، ج3، ص1)

Go To Index

مقولہ نمبر(751):وہ عبادات جن کو بجالانے سے غیر مسلم مسلمان ہو جائے گا۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے صاحب بحر کے حوالے سے ایک قاعدہ بیان کیا کہ جس میں اس بات کا بیان تھا کہ غیر مسلم کن عبادات کو بجالائے تو وہ مسلمان کہلائے گا فرمایا: کہ کافر جب کوئی عبادت کرے تو اگر وہ ایسی عبادت ہے کہ جو تمام ادیان میں موجود ہو جیسا کہ اکیلے نماز پڑھنا، روزہ، رکھنا، اور وہ حج کہ جو کامل نہ ہو اور صدقہ دیناوغیرہ تو اس کے بجالانے سے وہ مسلمان نہیں کہلائے گا۔ اور اگر وہ عبادت ہماری شریعت کے ساتھ خاص ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

اگر تو وہ عبادت غیر مقصودہ ہو جیسا کہ تیمم، تو اس سے بھی مسلمان نہ ہو گا اور اگر وہ عبادت مقصودہ ہو یا پھر شعائر اسلام میں سے کوئی شعار ہو جیسا کہ باجماعت نماز پڑھنا، کامل حج کرنا، مسجد میں اذان دینا اور **قرآن کریم کی تلاوت کرنا**، تو ان کو بجالانے سے وہ مسلمان ہو جائے گا۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ وہ عبادات کہ جن کو بجالانے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے، ان عبادات میں "**قراءت قرآن**" کا ذکر کرنا بہت عجیب وغریب ہے، کہ کئی کفار ایسے ہیں جو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں، بلکہ بعض عباسی خلفاء نے نصرانی کاتب رکھا ہوا تھا کہ جو قرآن کریم کا حافظ بھی تھا، وہ عباسی خلفاء اس سے قرآن کریم سے اپنے من پسند اقتباسات نکلوایا کرتے تھے۔ (تو کیا وہ نصرانی کاتب مسلمان کہلائے گا)

پھر فرمایا: کہ جب میں نے شامی کے اس مقام کو دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ محشی علیہ الرحمۃ (علامہ شامی) نے بھی صاحب بحر کے اس قول پر تعقب کیا ہوا ہے۔

غرض: صاحب بحر کے قول پر تعقب۔

Go To Index

عربی عبارات

ردالمحتار: ”قال في البحر في باب التيمم: الأصل أن الكافر متى فعل عبادة، فإن كانت موجودة في سائر الأديان لا يكون به مسلما كالصلاة منفردا والصوم والحج الذي ليس بكامل والصدقة. ومتى فعل ما اختص بشرعنا، فلو من الوسائل كالتيمم فكذلك، وإن من المقاصد أو من الشعائر كالصلاة بجماعة والحج الكامل والأذان في المسجد وقراءة القرآن يكون به مسلما إليه أشار في المحيط وغيره.“[1]

جد الممتار: ”قوله: وقراءة القرآن: هذا عجيبٌ! فرُبّ كافرٍ يقرء القرآن، بل كان لبعض الخُلَفاء العبَّاسيّة كاتبٌ نصرانيّ حفظ القرآن، وكان يقتبس منه في منشآته، ثُمّ رأيت العلاّمة المحشّي تعقّبه في آخر القولة.“[2]

اوقات الصلوٰۃ

مقولہ نمبر (752): طلوع فجر کی پہچان:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے حلبہ کے حوالے سے فرمایا: کہ فجر کے اول وقت کے بارے میں اختلاف نہیں کہ وہ طلوع فجر ہی ہے، لیکن طلوع فجر کا اعتبار کب سے کیا جائے گا آیا جیسے ہی فجر طلوع ہوئی اسی لمحے سے یا پھر طلوع ہونے کے بعد تھوڑی پھیل جائے اس وقت سے، اس بات میں مشائخ کرام کا آپس میں اختلاف ہے۔ ”خزانۃ الفتاوی“ میں ”شرح سرخسی علی الکافی“ کے حوالے سے ہے: پہلا قول (اول طلوعہ) یہ احوط ہے اور دوسرا قول (استطارتہ) وسعت والا ہے۔

---

1 ...۔ شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، دارالمعرفۃ، بیروت، 2000ء، ج 3، ص 11)

2 ...۔ (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج 3، ص 2)

Go To Index

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ طلوع فجر کی وضاحت فرماتے ہوئے ان دو قولوں کے درمیان تطبیق دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: "میں کہتا ہوں کہ قرآن وحدیث نے ہمیں یہ تو بتادیا کہ روزے اور نماز فجر کی ابتداء طلوع فجر سے ہو گی لیکن اس بات کی طرف کہیں بھی اشارہ نہیں فرمایا کہ یہ ابتدائی وقت طلوع فجر کے کچھ حصہ گزرنے کے بعد شروع ہو گا۔ طلوع کی دو قسمیں ہیں: حقیقی: عرفی: طلوع حقیقی کو تو صرف اللہ عزوجل ہی جانتا ہے یا وہ جسے اس کا علم دے دے وہ جانتا ہے، جبکہ طلوع عرفی یہ عام لوگوں پر بھی واضح ہوتا ہے، اور یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ جب طلوع کے بعد کچھ حصہ گزر جائے، اور اللہ عزوجل نے ہمیں اسی چیز کا مکلف بنایا ہے کہ جس کا جاننا ہمارے لیے ممکن ہو، لہٰذا طلوع اسی وقت جانا جائے گا جب وہ کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ اللہ تعالی قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿کلوا واشربوا حتی یتبین لکم ۔۔ الخ﴾۔"[1]

دونوں اقوال میں تطبیق:

دوسرا قول یعنی (کہ طلوع ہونے کے بعد کچھ روشنی پھیل جائے) اس سے مراد اس طلوع کا واضح ہونا، ظاہر ہونا ہے اور وہ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ بعد طلوع کچھ وقت گزر نہ جائے۔ اور پہلے قول سے مراد یہ ہے کہ دیکھنے والا جب دیکھے اور اسے یقین ہو جائے کہ طلوع فجر ہو چکی اور اس کا شک زائل ہو جائے تو جیسے ہی اس پر یہ ظاہر ہو گا اسی لمحے طلوع فجر کہلائے گی۔ اور یہ بھی اسی صورت میں ہو گا جب طلوع کے بعد کچھ وقت گزر چکا ہو۔ اور یہ اس لیے ہے کہ چونکہ رات کا پایا جانا یقینی طور پر معلوم تھا تو جب تک فجر کا آنا یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے اس

---

1 ...۔(پارہ:02 آیت 187)

Go To Index

وقت تک صرف شک کی بناء پر رات نہ جائے گی۔لہذا دونوں قولوں میں تطبیق بھی ہوگئی۔اللہ کی توفیق سے۔

غرض: طلوع فجر کی تحقیق اور اس کے بارے میں مختلف اقوال میں تطبیق۔

عربی عبارات

ردالمحتار: ”قال في الحلبة: نعم في كون العبرة بأول طلوعه أو استطارته أو انتشاره اختلاف المشايخ كما في شرح الزاهدي عن المحيط. وفي خزانة الفتاوى عن شرح السرخسي على الكافي وذكر فيها أن الأول أحوط والثاني أوسع۔“[1]

جدالممتار: ”قوله: أو استطارته والعبد الضعيف يقول وبالله التّوفيق: إنّ الكتاب والسنّة ناطقان بأنّ بداية الصّوم والصّلاة من طلوع الفجر ولَم يوميا قطّ إلى أنّها بعد مضي جانبٍ منه، لكنّ الطلوع حقيقيّ لا يعلمه إلاّ الله ومَن شاء الله، وعرفِيّ متبيّن لعامّة الأنظار، ولا يكون إلاّ بعد مضي طرفٍ منه عند الله تعالى، ولَم يكلّفنا ربّنا إلاّ بما لنا إلى علمه سبيل، وذلك حين التبيّن، قال تعالى: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ﴾ فمراد الثاني: هو تبيّنه وظهوره ولا يكون إلاّ بعد مضي شيء منه، ومراد الأوّل: أوّل تبيّنه أوّل ما يبدو للناظر ويقع اليقين ويذهب الشكّ؛ لأنّ وجود الليل كان معلوماً فما لَم يعلم وجود الفجر لا يذهب الليل بالشكّ فاتفق القولان، وبالله التوفيق۔“[2]

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج3، ص16)

2...(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جدالممتار، ج3، ص3)

Go To Index

مقولہ نمبر (753): فجر کے اول و آخر وقت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

صاحب در مختار نے باب اوقات الصلاۃ میں نماز فجر کے وقت کو مقدم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اس وجہ سے اسے مقدم کیا کہ اس کے ابتدائی اور انتہائی وقت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اس کے تحت فرمایا: کہ ابتدائی وقت میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ وہ طلوع فجر ہی ہے، لیکن طلوع سے مراد کیا ہے اس بات میں اختلاف ہے۔ البتہ فجر کے آخری وقت کے بارے میں مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ وہ طلوع شمس ہی ہے، لیکن شوافع میں سے ایک امام علامہ اصطخری نے ایک قول یہ بیان کیا کہ جیسے ہی اسفار یعنی روشنی ہو جائے تو فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد طلوع آفتاب تک نماز پڑھ بھی لی تو قضاء ہی کہلائے گی۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کہ علامہ اصطخری کے اس انوکھے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا کہ جب ساری امت ایک طرف ہے تو ان کا ایک الگ مؤقف اپنانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کہ علامہ اصطخری شافعی نے جو مؤقف اپنایا ہے، یہ ان کا اپنا تفرد ہے کسی امام مذہب کا یہ قول نہیں ہے، جس طرح کہ انہوں نے عصر کے وقت کے بارے میں اپنا ایک تفرد پیش کیا کہ: جب سایہ، اصلی سائے کے علاوہ دو مثل ہو جائے تو عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کے بعد اگر کسی نے غروب شمس تک نماز ادا کی تو وہ قضاء ہی شمار ہو گی۔ ایسا ہی حلبہ میں ہے۔

غرض: شافعی عالم کے تفردات کا بیان۔

Go To Index

عربی عبارات

در مختار: "(وقت) صلاة (الفجر) قدمه لأنه لا خلاف في طرفيه۔"[1]

ردالمحتار: "وبما تقرر علم أن المراد أنه لا خلاف في أوله وهو أصل طلوع الفجر الثاني، وإنما الخلاف في المراد من الطلوع. وأما عدم الخلاف في آخره فلما صرح به الطحاوي وابن المنذر من أن عليه اتفاق المسلمين. قال في الحلية: فلا يلتفت إلى ما عن الإصطخري من الشافعية، من أنه إذا أسفر الفجر يخرج الوقت وتصير الصلاة بعده إلى الطلوع قضا۔"[2]

جد الممتار: "قوله: ما عن الإصطَخريِّ من الشافعيّة: هو متفرّد بهذا كتفردّه بأنّ الظّل إذا بلغ المِثلين خرج وقت العصر، وتصير الصّلاة بعده إلى الغروب قضاءً كما في الحلبة أيضاً."[3]

مقولہ نمبر (754): صبح کاذب کی پہچان کیسے ہو؟

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے صبح کاذب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: کہ صبح کاذب سے مراد وہ روشنی ہے کہ جو آسمان میں مستطیلًا یعنی لمبائی میں پھیل جاتی ہے جیسا کہ بھیڑیے کی دم ہو، اور اس کے پیچھے اندھیرا چھا جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کہ صبح کاذب کی تعریف اس طرح نہیں جس طرح علامہ شامی نے کی ہے جیسا کہ اس فن کے ماہرین علماء (قطب شیرازی وغیرہ) نے اس کی صراحت فرمائی ہے اور بارہا کا تجربہ اس پر شاہد ہے۔ (درست یہ ہے کہ) صبح کاذب کی روشنی کے پھیلنے کے

1...(حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص15)

2...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج3، ص16)

3...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص4)

Go To Index

بعد اندھیرا نہیں چھاتا بلکہ جب یہ پھیلتی ہے تو طلوع شمس تک پھیلتی جاتی ہے، اور افق میں اس کے نیچے بالکل اندھیرا ہوتا ہے، پھر جب صبح صادق طلوع ہوتی ہے تو صبح کاذب اور یہ اندھیرا اس میں غائب ہو جاتے ہیں۔

غرض: علامہ شامی کے تسامح کی نشاندہی۔

عربی عبارات

ردالمحتار: ”الکاذب وھو المستطیل الذي یبدو طویلا في السماء کذنب السرحان أي الذئب ثم یعقبه ظلمة۔“[1]

جد الممتار: ”قوله: ثم یعقُبه: لیس ھکذا کما نصّ علیه علماء الفنّ کالقطب الشِیرازي وغیره، ویشھد به المشاھدة، بل یکون تحته ظلمة، ثم یطلع المستطیر فیغیب فیه المستطیل۔“[2]

مقولہ نمبر (755): سابقہ سے متعلقہ:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے صبح کاذب کی تعریف کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا: کہ وہ ایک ایسی روشنی ہے کہ جو آسمان پر لمبائی میں پھیلتی ہے جیسا کہ بھیڑیے کی دم ہو اور اس کے پیچھے اندھیرا چھا جاتا ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے اس سے پہلے والے مقولے میں اس تعریف کے سہو پر مبنی ہونے کے بارے میں بیان کیا تھا۔ اب اس مقولے میں آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس غلطی کی وجہ

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج3، ص18)

2...(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص4)

Go To Index

اور علت و منشاء بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرمایا: کہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اس تعریف میں علامہ ابن امیر الحاج کی اتباع کی ہے جو کہ سہو پر مبنی ہے۔ اور اس غلط فہمی کا منشاء اور علت "منیہ" کا ایک قول بناہے جو محیط سے لیا گیاہے کہ فجر کاذب سے مراد وہ روشنی ہے کہ جو آسمان کے ایک کنارے سے پھوٹتی ہے، پھر وہ غائب ہو جاتی ہے۔ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کہ یہاں فجر کاذب کے غائب ہونے سے مراد یہ نہیں کہ اس کے بعد اندھیرا چھا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ روشنی صبح صادق کے غلبے کی وجہ سے غائب ہو جاتی ہے، جس طرح کہ صبح صادق طلوع شمس سے غائب ہو جاتی ہے۔

غرض: علامہ شامی علیہ الرحمۃ کے سہو کی علت و منشاء کا بیان۔

عربی عبارات

ردالمحتار: "وهو المستطيل الذى يبدو طويلاً فى السماء كذنب السرحان :اى الذئب:ثم يعقبه ظلمة۔"[1]

جد الممتار: "قوله: يعقبه:تبع فيه العلامة ابن امير الحاج وهو سهو،ومنشاء هذا الغلط قول "المنية" عن "المحيط" (ان الفجر الكاذب ان يقع البياض فى ناحية واحدة،ثم يتلاشى)اه"

"اقول :وانما اراد به تلاشيه بغلبة بياض الفجر الثانى عليه ، كما ان الفجر يتلاشى بطلوع الشمس."[2]

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص18)

2...(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص5)

Go To Index

مقولہ نمبر(756):

صاحب تنویر الابصار نے فجر کا وقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: فجر کا وقت طلوع فجر ثانی سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک ہے۔

فجر ثانی کی تشریح کرتے ہوئے شارح علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ: یہ ایک ایسی سپیدی ہے کہ جو افق میں چوڑائی میں (یعنی جنوباً شمالاً) پھیلتی ہے نہ کہ مستطیل یعنی لمبائی میں۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے ردالمحتار میں اس کے تحت کلام کرتے ہوئے علامہ مرحوم شیخ خلیل الکاملی کا قول نقل فرمایا کہ جو آپ نے رسالہ اسطرلاب کے حاشیے میں ذکر کیا کہ: دونوں فجروں (صادق و کاذب) اور دونوں شفقوں (احمر و ابیض) کے درمیان صرف تین درجات کا فرق ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس کے تحت فرماتے ہیں: صاحب شرح چغمینی فرماتے ہیں کہ: میں نے یہ بات تجربے سے جانی ہے کہ ابتداء صبح تب ہوتی ہے جب سورج 18 درجے انحطاط پر ہوتا ہے، اور انتہائے شفق اس وقت ہوتی ہے کہ جب سورج 18 درجے ڈھل چکا ہو۔

اور اس کے تحت حاشیہ برجندی میں ہے کہ: یہاں صبح سے مراد صبح کاذب ہے، بہرحال صبح صادق تو اس کی ابتداء تب ہوتی ہے کہ جب سورج 15 درجے انحطاط پر ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس کے تحت ارشاد فرماتے ہیں کہ: یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ ان جیسا علامہ ایسی بات کہے۔ شاید ان کو تجربہ یا مشاہدہ نہیں ہوا ہو گا۔ وگرنہ تو صبح صادق کی ابتداء سورج کے 18 درجے انحطاط پر ہونے کے وقت، اور شفق ابیض کی انتہاء سورج کے 18 درجے

Go To Index

ڈھلنے کے بعد ہوتی ہے۔ اور اسی پر بار بار کا تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے۔ البتہ صبح کاذب تو اس سے بہت پہلے ہوتی ہے اور اس کی ابتداء کا کبھی تجربہ نہیں ہو سکا۔

نوٹ: یاد رہے! ایک دن اور رات میں 360 درجے ہوتے ہیں، اور ہر درجہ 4 منٹ کے برابر ہوتا ہے۔ ہمارے بلاد میں چونکہ سورج عموداً (بالکل سیدھا) طلوع و غروب نہیں ہوتا بلکہ (خط استواء سے دوری کی وجہ سے) ترچھا ہو کر طلوع و غروب ہوتا ہے، لہذا اسے افق سے 18 درجے انحطاط تک جانے کے لیے (یعنی غروب آفتاب سے شفق ابیض کے غائب ہونے تک)، اور 18 درجے انحطاط سے افق پر ظاہر ہونے کے لیے (صبح صادق سے طلوع آفتاب تک) زیادہ وقت لگتا ہے۔ اس کا کم از کم دورانیہ 1 گھنٹہ 18 منٹ ہے اور زیادہ سے زیادہ 1 گھنٹہ 35 منٹ ہے۔ نہ اس سے کم ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے زیادہ۔

فائدہ: ہر روز کے صبح اور مغرب دونوں کے وقت برابر ہوتے ہیں۔

غرض: مزید افادے کا بیان، علامہ برجندی کے تسامح کی نشاندہی۔

عربی عبارات

تنویر الابصار: "(وقت الفجر من طلوع الفجر الثاني إلى طلوع ذكاء)."[1]

در مختار: "(الفجر الثاني) وهو البياض المنتشر المستطير لا المستطيل."[2]

ردالمحتار: " ذكر العلامة المرحوم الشيخ خليل الكاملي في حاشيته على رسالة الأسطرلاب لشيخ مشايخنا العلامة المحقق علي أفندي الداغستاني أن التفاوت بين

1...(تمرتاشی، محمد بن عبد اللہ، تنویر الابصار، ج2، ص18، 16)

2...(حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص18)

Go To Index

الفجرین و کذا بین الشفقین الأحمر والأبیض إنما ھو بثلاث درج۔"[1]

جد الممتار: "قوله: إنّما هو بثلاث درج: قد عرفتُ بالتّجربة أنّ أوّل الصبح وآخر الشفق إنّما يكون إذا كان انحطاط الشّمس ثمانية عشر جزءًا اهـ شرح الچغميني. هذا في ابتداء الصّبح الكاذب، وأمّا في ابتداء الصبح الصادق فقد قيل: إنّ انْحِطاط الشمس حينئذٍ خمسة عشر جزءً، والله تعالى أعلم اهـ بِرْجَنْدِي. أقول: هذا عجب كلّ العجب من مثل العلاّمة! وكأنّه لَم يتّفق له التّجربة والمشاهدة، والحقّ أنّ ابتداء الصبح الصادق وانتهاء الشَّفق الأبيض على انحطاط ثمانية عشر، به شهدت المشاهدات المتكرّرة والتّجارب المتقرّرة، أمّا الصّبح الكاذب فقبل ذلك بكثيرٍ ولَم يتّفق لي تجربة بدءه۔"[2]

مقولہ نمبر(762۔757): ظہر کا آخری وقت سایہ اصلی کے علاوہ سائے کے دو مثل ہونے تک ہے۔

صاحب تنویر الابصار: آپ نے ظہر کے وقت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ: اس کا وقت سورج کے ڈھلنے سے لے کر اس وقت تک ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ، سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل ہو جائے۔

علامہ شامی: آپ رحمۃ اللہ علیہ نے "حاشیہ ردالمحتار" میں "نہایہ" کے حوالے سے اسی قول کو امام اعظم سے ظاہر الروایہ بتایا ہے۔اور **بدائع**، **محیط**، اور **ینابیع** میں اسی کو صحیح کہا گیا ہے، اور **غیاثیہ** نے بھی اسی کو مختار کہا ہے، اور **امام محبوبی** کا مختار مذہب یہی ہے۔ اور اسی پر علامہ

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص19

2...(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص5)

Go To Index

نسفی اور صدر الشریعہ نے اعتماد کیا ہے۔ اور **اصحاب متون** نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور **شارحین** نے اسی کو پسند کیا ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ: علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے جن کتب کا تذکرہ فرمایا ہے اعلی حضرت نے ان میں سے بعض کتب کی تعیین فرمادی۔

مقولہ نمبر (757):

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے صرف "**محیط**" کہا تو اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے اسکی تعیین فرمادی کہ یہاں **محیط** سے مراد "**محیط سرخسی**" ہے۔

مقولہ نمبر (758):

علامہ شامی نے صرف "**ینابیع**" کا حوالہ دیا تو آپ نے تعیین کردی کہ یہ "**شرح قدوری**" ہے۔

غرض: ان دونوں مقولوں کی غرض کتب محولہ کی تعیین اور اس کے علاوہ مزید بہت سی کتب سے اسی دو مثل والے قول کے اصح و ارجح ہونے پر جزئیات نقل فرما کر اس قول کی تائید و توثیق فرمادی۔

مقولہ نمبر (759):

علامہ شامی نے "غیاثیہ" کے حوالے سے اس قول کو مختار کہا تھا، اعلی حضرت نے مزید ایک اور کتاب کا حوالہ دے دیا کہ "جواھر الاخلاطی" میں بھی اسے مختار کہا گیا ہے۔

مقولہ نمبر (760):

علامہ شامی نے بیان کیا **امام محبوبی** نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، تو اعلی حضرت نے اس

Go To Index

قول یعنی (ظہر کا آخری وقت اس وقت تک ہے جب ہر چیز کا سایہ، سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل ہو جائے) کے اظہر واشہر وارجح ہونے پر کئی کتب سے جزئیات نقل فرمائے، لہٰذا آپ فرماتے ہیں کہ: **خانیہ** اور **خلاصہ** میں اسی قول کو مقدم کیا گیا ہے، اور ان کتابوں میں صرف اسی قول کو مقدم کیا جاتا جو اظہر و اشہر ہوتا ہے۔ اور "ھدایہ" اور "**کافی**" میں اس قول کی دلیل کو مؤخر کیا ہے اور ان دونوں کتابوں میں اسی قول کی دلیل کو مؤخر کیا جاتا ہے کہ جو مختار ہو۔

"**ھدایہ شریف**" میں ہے کہ: جب ظہر کے آخری وقت کے متعلق آثار متعارض ہیں (بعض میں مثل اول، اور بعض میں مثل ثانی کا ذکر ہے) تو لہٰذا شک کی وجہ سے ظہر کے وقت کے ختم ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اور **کافی** میں اس بات کو زائد کیا ہے کہ: اور عصر کا وقت جو ابھی تک ثابت نہیں ہوا، لہٰذا یہ شک کے ساتھ داخل نہ ہو گا۔ اور "**خزانۃ المفتین**" میں اسی قول پر اقتصار کیا گیا ہے، دوسرے قول کی طرف مشغول ہوئے بغیر۔

"**مراقی الفلاح**" میں ہے: یہی صحیح ہے اور اسی قول پر اکثر مشائخ اور متون متفق ہیں۔ **اسی مراقی الفلاح** میں ہی ہے: مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اکثر مشائخ عصر کے اول وقت کے متعلق یہ شرط لگاتے ہیں کہ جب سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے، اور اسی قول کو لینا زیادہ احتیاط کے قریب ہے، کیونکہ اس طرح بندہ اپنے ذمے سے یقینی طور پر بری ہو جائے گا، کیونکہ نماز کو اس کے وقت سے مقدم کرنا درست نہیں، البتہ وقت کے نکلنے کے بعد درست ہے، تو مثل ثانی میں عصر کی نماز کیوں درست نہ ہو گی حالانکہ اس کا وقت بالاتفاق باقی ہے۔ **پھر ایک اور مقام پر فرمایا** کہ: احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ظہر مثل اول سے پہلے پڑھی جائے اور عصر مثل ثانی

Go To Index

کے بعد پڑھی جائے تاکہ بالاتفاق دونوں نمازیں درست ادا ہوں اسی طرح مبسوط میں بھی ہے۔

اور **حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح** میں ہے: جمہور اہل مذہب نے اسی قول کی تصحیح کی ہے۔

اور **نقایہ** میں ہے: ظہر کا وقت سورج کے ڈھلنے سے لے کر اس وقت تک ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ، سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل ہو جائے، اور ایک روایت میں ہے کہ جب ایک مثل ہو جائے اس وقت تک ظہر کا وقت ہے۔ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: **صاحب نقایہ** نے دو مثل والے قول کو مقدم کر کے، اور ایک مثل والے قول کو "روایت" سے تعبیر کر کے ایک مثل والے قول کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ **جامع الرموز** میں ہے کہ: دو مثل والے قول کو مقدم کرنے میں اس بات کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ یہی قول مفتی بہ ہے۔ مزید فرمایا: کہ **نہایہ** میں ہے: احتیاط اسی میں ہے کہ عصر کو اس وقت پڑھا جائے کہ جب ہر چیز کا سایہ، سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل ہو جائے۔

ہندیہ میں ہے: ظہر کا وقت زوال شمس سے لے کر اس وقت تک ہے کہ جب سایہ، اصلی سائے کے علاوہ دو مثل ہو جائے، اسی طرح کافی میں ہے، اور یہی صحیح ہے، اسی طرح **محیط سرخسی** میں مذکور ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں: احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ ظہر سایہ کے ایک مثل ہونے سے پہلے ادا کی جائے اور عصر اس وقت ادا کی جائے کہ جب ہر چیز کا سایہ، اصلی سائے کے علاوہ دو مثل ہو جائے، تاکہ دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں یقینی طور پر ادا ہو جائیں، اور عصر کا وقت سایہ اصلی کے علاوہ سائے کے دو مثل ہونے سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک ہے، اسی طرح شرح مجمع میں ہے۔ (ہندیہ)

Go To Index

اور **ملتقی** میں بھی اسی قول (دو مثل والے) کو مقدم کیا گیا ہے، اور یہ خود فرماتے ہیں کہ: میں نے ان اقوال کو مقدم کیا ہے کہ جو ارجح ہیں۔ اور شرح مجمع میں **مجمع الانہر** کے حوالے سے اسی قول کے بارے میں فرمایا گیا کہ (المختار للفتوی) یعنی یہی قول فتوے کے لیے مختار ہے۔

بحر اور **طحطاوی علی الدر المختار** میں ہے: اصحاب متون نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اور شارحین نے اسی قول کو پسند فرمایا ہے۔ **بحر** اور **طحطاوی** میں ہی ہے کہ: شیخ الاسلام علی بن محمد بن اسماعیل اسبیجابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: احتیاط یہی ہے کہ عصر اس وقت پڑھی جائے کہ ہر چیز کا سایہ اصلی سائے کے علاوہ دو مثل ہو جائے، تاکہ بالاجماع اس کی نماز درست ادا ہو۔ ایسا ہی سراج الوھاج میں ہے۔ ملخصًا

اور مصنف علیہ الرحمۃ کی **شرح مجمع** میں ہے "یہی مذہب ہے" اور **سراج منیر** میں ہے "امام صاحب کے قول پر ہی فتوی ہے" اور **حمادیہ** میں **حاشیہ منظومہ** کے حوالے سے ہے: اور بہر حال جس قول پر فتوی ہے وہ یہ ہے کہ جسے **فتاوی ظہیریہ** میں ذکر کیا گیا ہے: مناسب یہ ہے کہ ظہر کو اتنا مؤخر نہ کیا جائے کہ ہر شے کا سایہ اس کی مثل ہو جائے، اور جب تک ہر شے کا سایہ، **اصلی سائے** کے علاوہ دو مثل نہ ہو جائے اس وقت تک عصر ادا نہ کی جائے۔ علامہ عبد الحی لکھنوی کے رسالے "**نفع المفتی**" میں یہ بات مذکور ہے۔

اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جب فقہائے کرام نے مثل ثانی میں اختلاف کی وجہ سے ظہر پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے تو عصر کو مثل ثانی میں ادا کرنا بدرجہ اولی اور اشد مکروہ ہو گا، کیونکہ پہلی صورت میں اختلاف نماز کی حلت و حرمت کے متعلق تھا، اور یہاں

Go To Index

(عصر میں) نماز کی صحت اور بطلان کے حوالے سے ہے۔

غرض: دونوں مقولوں کی غرض مسئلہ کی تائید وتوثیق اور اس پر مزید جزئیات کا بیان۔

مقولہ نمبر (761):

علامہ شامی نے بیان کیا کہ اس دو مثل والے قول کو اصحاب متون نے اختیار کیا ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے "کنز" و قایہ" اور "وافی" نکال کر متون کی تعیین کر دی کہ ان ان میں اس قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

غرض: کتب متون کی تعیین۔

مقولہ نمبر (762):

علامہ شامی نے فرمایا کہ اس قول کو شارحین نے پسند فرمایا ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے "زیلعی" تحریری فرما کر واضح کر دیا کہ شارحین سے کون مراد ہیں۔

غرض: شارح کی تعیین۔

عربی عبارات

تنویر الابصار: "(ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه)"[1]

ردالمحتار: "هذا ظاهر الرواية عن الإمام نهاية، وهو الصحيح بدائع ومحيط وينابيع، وهو المختار غياثية واختاره الإمام المحبوبي وعول عليه النسفي وصدر الشريعة تصحيح قاسم واختاره أصحاب المتون، وارتضاه الشارحون"[2]

---

1 ...(تمر تاشی، محمد بن عبد اللہ، تنویر الابصار، ج2، ص19)

2 ...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص19

Go To Index

جد الممتار: ”قوله: و”محيط“: السرخسي۔“[1]

جد الممتار: ”قوله: و”ينابيع“: شرح القدوري“۔“[2]

جد الممتار: ”قوله: وهو المختار، ”غياثيه“: وجواهر الاخلاطی“۔“[3]

جد الممتار: ”قوله: واختاره الإمام المحبوبيّ۔“

وقدّمه في ”الخانية“ والخلاصة“ وهو إنّما يقدّم الأظهر الأشهر، وأخّر في ”الهداية والكافي“ دليله، وهما إنّما يؤخّران دليل المختار، قال (وإذا تعارضت الآثار لا ينقضي الوقت بالشكّ) اهـ. زاد ”الكافي“: (ووقت العصر ما كان ثابتاً فلا يدخل بالشكّ) اهـ. واقتصر عليه في ”خزانة المفتين“ غير ملمّ بالقول الآخر شيئاً، وفي ”مراقي الفلاح“: (هو الصحيح وعليه جلّ المشايخ والمتون) اهـ. وفيها: (علمت أنّ أكثر المشايخ على اشتراط بلوغ الظلّ مثلَيه، والأخذ به أحوط لبراءة الذمّة بيقين؛ إذ تقديم الصّلاة عن وقتها لا يصحّ، وتصحّ إذا خرج وقتها، فكيف والوقت باقٍ اتفاقاً!) اهـ. ثُمّ قال: (الاحتياط أن يصلّي الظهر قبل أن يصير الظلّ مثله والعصر بعد مثلَيه ليكون مؤدّياً بالاتّفاق، كذا في ”المبسوط) اهـ. صحّحه جمهور أهل المذهب اهـ ”طم“. وقال في ”النقاية“: (الظهر من الزوال إلى بلوغ ظلّ كلّ شيء مثلَيه سوى فَيء الزوال، وفي رواية: مثله) اهـ. فقد أشار إلى تضعيف المثل بتقديم تضعيف المثل، والتعبير برواية في المثل. قال في ”جامع الرموز“: (في تقديم مثليه إشعارٌ إلى أنّها المفتى بها)

1...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص6)

2...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص7)

3...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص7)

Go To Index

اهـ. قال: (وفي النهاية: الاحتياط أن لا يصلّي العصر حتّى يصير ظلّ كلّ شيء مثلَيه سوى الفَيْء) اهـ. وقت الظهر من الزوال إلى بلوغ الظل مثلَيه سوى الفَيْء كذا في "الكافي"، وهو الصحيح، هكذا في "محيط السَّرَخْسِي" اهـ "هندية". قالوا: الاحتياط أن يصلّي الظهر قبل صيرورة الظلّ مثله ويصلّي العصر حين يصير مثلَيه لتكون الصّلاتان في وقتيهما بيقينٍ، ووقت العصر من صيرورة الظلّ مثلَيه غير فَيْء الزوال إلى غروب الشّمس، هكذا في شرح المجمع اهـ "هندية". وقدّمه في "الملتقى" وقد قال: (قدّمت من أقاويلهم ما هو الأرجح) اهـ. (المختار للفتوى) "مجمع" اهـ. في "شرح المجمع" للمصنّف. بحر-: اختاره أصحاب المتون وارتضاه الشّارحون، "بحر" اهـ "ط"

قال شيخ الإسلام: (الاحتياط أن لا يصلّي العصر حتّى يبلغ المثلَين ليكون مؤدّياً بالإجماع كذا في السراج) اهـ. ملخّصاً "ط" وبحر. وفي "شرح المجمع" للمصنّف أنّه المذهب، وفي "السراج المنير": (وعلى قوله الفتوى)، وفي "الحمادية" عن "حاشية المنظومة": (وأمّا ما عليه الفتوى فهو أنّه ذكر في "الفتاوى الظهيريّة": ينبغي أن لا يؤخّر الظّهر حتّى يصير ظلّ كلّ شيء مثله، ولا يصلّي العصر حتّى يصير ظلّ كلّ شيء مثلَيه) اهـ. "نفع المفتي" للكنوي. قلت: وإذا ذكروا كراهة أداء الظّهر في المثل الثاني لمكان الخلاف فأداء العصر فيه أولى بكراهة أشدّ وأعظم؛ لأنّ الخلاف في الأولى في الحلّ والحرمة وها هنا في صحّة الصلاة وبطلانها.[1]

---

1 ...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص7 تا 10)

Go To Index

جد الممتار: ”واختاره اصحاب المتون: کالکنز، والوقایه، والوافی۔“[1]

جد الممتار: ”وارتضاه الشارحون: کالزیلعی۔“[2]

مقولہ نمبر (763-764): سایہ اصلی جگہ اور زمانے کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے۔

صاحب در مختار نے بیان کیا کہ سایہ اصلی جگہ اور زمانے کے بدلنے کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اس کے تحت ارشاد فرمایا کہ: بدلنے سے مراد سایہ اصلی کا طویل و قصیر ہونا یا بالکلیہ طور پر اس کا معدوم ہونا ہے، جیسا کہ علامہ طحطاوی نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ اس اختلاف وقت کی علت و سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ایسا عرض بلد کی کثرت یا اس کی قلت کے سبب ہوتا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ زوال کا وقت بعض ایام میں معدوم ہوتا ہے پورا سال نہیں، کیونکہ کوئی ایسا مقام اور ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں سایہ اصلی پورا سال ہی معدوم رہے۔

غرض: مسئلہ کی علت کا بیان۔

غرض: مسئلہ کی توضیح۔

عربی عبارات

تنویر الابصار و در مختار: ”(ووقت الظهر من زواله الى بلوغ الظل مثليه سوى فيء

1... (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص11)

2... (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص11)

Go To Index

الزوال) **ویختلف باختلاف الزمان والمکان۔**"[1]

ردالمحتار:"أي طولا وقصرا وانعداما بالكلية كما أوضحه۔"[2]

جد الممتار:"ای:طولاً وقصراً:بکثرة عرض البلد وقلته۔"[3]

جد الممتار:"وانعداماً بالكلية كما اوضحه :ای :فی بعض الايام ؛اذ لا يوجد موضع ينعدم فيه الفیء تمام السنة۔"[4]

مقولہ نمبر(765):زوال کا وقت معلوم کرنے کے طریقے:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے وقت زوال کو معلوم کرنے کے حوالے سے دو طریقے نقل فرمائے ہیں، **پہلا طریقہ** یہ کہ ایک لکڑی لی جائے اور اسے زوال سے پہلے زمین میں گاڑھ دیا جائے، پھر اس وقت تک انتظار کرتا رہے جب تک سایہ لکڑی کی طرف لوٹتا رہے، پھر جب سایہ لوٹنا بند ہو جائے اور بڑھنا شروع ہو جائے تو سایہ بڑھنے کے وقت کو یاد کرلے اس سے جو پہلے لمحہ تھا وہی زوال کا وقت ہے۔اور **دوسرا طریقہ** امام محمد سے مروی ہے کہ:قبلے کی طرف منہ کرکے کھڑا ہوا جائے،پس جب تک سایہ اس کی بائیں طرف والی بھنوؤں پر رہے تو سورج ابھی ڈھلا نہیں،اور اگر سایہ اس کی دائیں جانب والی بھنوؤں پر آ جائے تو سورج ڈھل جائے گا۔اور مفتاح میں اسے ایضاح کی طرف یہ کہتے ہوئے منسوب کیا ہے کہ: یہ والا طریقہ لکڑی والے طریقے سے زیادہ آسان ہے۔

1...(حصکفی،علاؤالدین،العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار،ج2،ص120)
2...(شامی،محمد امین بن عمر عابدین،ردالمحتار،ج2،ص20)
3...(اعلی حضرت،امام احمد رضا خان،جد الممتار،ج3،ص11
4...(اعلی حضرت،امام احمد رضا خان،جد الممتار،ج3،ص12)

Go To Index

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں: یہ دوسرا طریقہ مخصوص شہروں کے ساتھ خاص ہے بر خلاف پہلے والے طریقے کے کہ وہ ہر جگہ کے لیے عام ہے۔

نوٹ: رد المحتار کے حاشیے میں علامہ رافعی نے بھی اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔(مترجم)

غرض: مزید افادے کا بیان۔

عربی عبارات

رد المحتار:"أشار إلى أنه وجد خشبة يغرزها في الأرض قبل الزوال وينتظر الظل ما دام متراجعا إلى الخشبة فإذا أخذ في الزيادة حفظ الظل الذي قبلها فهو ظل الزوال ح: وعن محمد: يقوم مستقبل القبلة، فما دامت الشمس على حاجبه الأيسر فالشمس لم تزل وإن صارت على حاجبه الأيمن فقد زالت، وعزاه في المفتاح إلى الإيضاح قائلا **إنه أيسر مما سبق** عن المبسوط من غرز الخشبة."[1]

جد الممتار:"قوله: ایسر مما سبق: قلت: ولکنه خاص ببعض البلاد بخلاف الاول"[2]

مقولہ نمبر (766): ظہر کا آخری وقت معلوم کرنے کا طریقہ:

صاحب در مختار نے ظہر کے وقت کے ختم ہونے کو معلوم کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: آدمی ایک ہموار زمین پر ننگے سر اور ننگے پاؤں سورج کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جائے، جب سایہ، سایہ اصلی کے علاوہ دو مرتبہ یا ایک مرتبہ قد آدم تک پہنچ جائے تو اس وقت ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، رد المحتار، ج2، ص21)

2...(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص12)

Go To Index

علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: اگر اس طرح بھی وقت معلوم نہ ہو، تو اس کی جگہ قدم ناپ کر معلوم کیا جا سکتا ہے اور وہ قدم ساڑھے چھ بنتے ہیں اور ایک قول کے مطابق سات قدم بنتے ہیں۔

علامہ شامی نے سات قدموں والے قول کو "**قیل**" کے ذریعے بیان کیا ہے، تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: اس قول کو جو **قیل** کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس سے مراد یہ نہیں کہ یہ قول ضعیف ہے، بلکہ یہ صرف حکایت کرنے کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ عنقریب ایک سطر کے بعد علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس قول کے بارے میں فرمائیں گے کہ اسی قول پر اکثر مشائخ کا اتفاق ہے۔

غرض: علامہ شامی کی عبارت سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ۔

عربی عبارات

در مختار: "ولو لم يجد ما يغرز اعتبر بقامته وهي ستة أقدام ونصف بقدمه من طرفه إبهامه."[1]

ردالمحتار: "بأن يقف معتدلا في أرض مستوية حاسرا عن رأسه خالعا نعليه مستقبلا للشمس أو لظله ويحفظ ظل الزوال كما مر، ثم يقف في آخر الوقت ويأمر من يعلم له على منتهى ظله علامة، فإذا بلغ الظل طول القامة مرتين أو مرة سوى ظل الزوال فقد خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر، وإن لم يعلم علامة يكيل بدلها ستة أقدام ونصفا بقدمه **وقيل سبعة**."[2]

1...(حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص21)

2...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص21)

Go To Index

جد الممتار: ”وقیل :سبعة :لم یرد ب“قیل“التضعیف بل مجرد حکایة،فسیقول بعد سطر:ان علیه عامة المشائخ.“[1]

مقولہ نمبر(767):اگر بعد غروب سورج دوبارہ لوٹ آئے تو عصر کا حکم:

صاحب در مختار نے عصر کے آخری وقت (غروب آفتاب) کو بیان کرتے ہوئے ایک سوال قائم کیا کہ اگر سورج غروب ہونے کے بعد دوبارہ پھر لوٹ آئے تو کیا عصر کا وقت بھی عود کرے گا یا نہیں۔ پھر خود ہی جواب دیا کہ ظاہر یہی ہے کہ عصر کا وقت لوٹ آئے گا۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ: یہ وہ بحث ہے جو صاحب نہر نے نہر الفائق میں کی ہے کہ جہاں انہوں نے فرمایا: شوافع کے نزدیک سورج کے دوبارہ واپس پلٹنے سے عصر کا وقت بھی لوٹ آئے گا، ان کی دلیل وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ والی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرما کر ڈوبا سورج پلٹایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز ادا کی۔ اور اس کی نظیر وہ یہ دیتے ہیں کہ جس طرح کوئی شخص مر جائے اور اس کا مال وراثت بن کر تقسیم ہو چکا ہو، پھر وہ زندہ ہو جائے تو اس کا بچا ہوا مال اس کو واپس کیا جائے گا۔ یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو گا تو کیا اس وقت بھی عصر کا وقت لوٹ آئے گا یا نہیں؟ تو علامہ طحطاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ظاہر یہی ہے کہ یہاں وہ حکم نہیں ہے، کیونکہ یہ حکم (عصر کے وقت کا لوٹ آنا) تب دیا جاتا ہے جب سورج ڈوبنے کے بعد فوراً وہیں سے طلوع ہو جائے۔ جبکہ قیامت کے قریب جو سورج ڈوبنے کے بعد

---

1 ...(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص12)

Go To Index

مغرب سے ہی طلوع ہو گا وہ فوراً نہیں ہو گا **بلکہ مکمل رات گزرنے کے بعد ہو گا۔**

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کہ صرف ایک رات نہیں بلکہ تین راتوں کی مقدار وقت گزرنے کے بعد سورج مغرب سے طلوع ہو گا جیسا کہ حدیث مبارک میں یہی وارد ہوا ہے۔

غرض: شارح علیہ الرحمۃ کی خطا کی نشاندہی اور درست مسئلہ کا بیان۔

عربی عبارات

در مختار: ”(ووقت العصر منه إلى) قبيل (الغروب) فلو غربت ثم عادت هل يعود الوقت، الظاهر، نعم.“[1]

ردالمحتار: ”بحث لصاحب النهر حيث قال: ذكر الشافعية أن الوقت يعود «؛ لأنه -عليه الصلاة والسلام نام في حجر علي رضي الله عنه حتى غربت الشمس، فلما استيقظ ذكر له أنه فاتته العصر فقال: اللهم إنه كان في طاعتك وطاعة رسولك فارددها عليه، فردت حتى صلى العصر» وكان ذلك بخيبر، والحديث صححه الطحاوي. وعياض، وأخرجه جماعة منهم الطبراني بسند حسن، وأخطأ من جعله موضوعا كابن الجوزي وقواعدنا لا تأباه اهـ قال ح: كأنه نظير الميت إذا أحياه الله تعالى فإنه يأخذ ما بقي من ماله في أيدي ورثته فيعطى له حكم الأحياء، وانظر هل هذا شامل لطلوع الشمس من مغربها الذي هو من العلامات الكبرى للساعة؟. اهـ. قال ط: والظاهر أنه لا يعطى هذا الحكم؛ لأنه إنما يثبت إذا أعيدت في آن غروبها كما هو واقعة الحديث، أما طلوعها من مغربها فهو بعد **مضي الليل بتمامه.**“[2]

1...(حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص22)

2...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص22)

Go To Index

جد الممتار: ”بعد مضي الليل بتمامه:بل ثلاث ليالی بحسب المقدار كما ورد فی الحديث۔“[1]

فاقدوقت العشاء کاھل البلغار

مقولہ نمبر (768): جن علاقوں میں عشاء وفجر کا وقت نہیں آتا:

تنویر الابصار و در مختار میں ہے: کہ عشاء اور وتر کی نماز کا وقت غروب شفق سے لے کر طلوع فجر تک ہوتا ہے، لیکن وتروں کو عشاء سے مقدم کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ان میں ترتیب رکھنا واجب ہے۔ اور وہ علاقے کہ جہاں عشاء و وتر کا وقت ہی نہیں آتا جیسا کہ بلغارو (لندن) کہ وہاں پر غروب شفق سے پہلے ہی طلوع فجر ہو جاتی ہے اور یہ سردیوں کی چالیس راتوں (جبکہ درست یہ ہے گرمیوں کی 40 راتوں میں ایسا ہوتا ہے، جیسا کہ نیچے حاشیے میں مذکور ہے) میں ایسا ہوتا ہے، وہاں والے لوگ ان نمازوں کی قضا پڑھیں گے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس کے تحت فرماتے ہیں: ”فان فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق فی اربعينيّة الشتاء“ اس کا مقتضی یہ ہے کہ: وہاں صرف عشاء و وتر کا وقت مفقود ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ وہاں پر فجر کا وقت بھی مفقود ہوتا ہے کیوں کہ فجر کے وقت کی ابتداء طلوع فجر سے ہوتی ہے، اور طلوع فجر اپنے سے قبل اندھیرے کا متقاضی ہے اور اندھیرا شفق کے باقی رہنے کے ساتھ ممکن نہیں ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ ”ولا ظلام مع بقاء الشفق“ کے تحت فرماتے ہیں: (اقول) میں

---

1 ...(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج13، ص3)

Go To Index

کہتا ہوں شفق کے مغرب میں ہوتے ہوئے اگرچہ مغرب میں تو اندھیرا نہیں ہوتا، (لیکن چونکہ فجر کا تعلق مشرق سے ہے کہ وہ وہاں سے طلوع ہوتی ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ مشرق میں اندھیرا ہو) اور فجر اپنے سے قبل مشرق میں ہی اندھیرے کی متقاضی ہے لہذا یہ اعتراض تو سرے سے ہی ختم ہو گیا۔ اور یہ اعتراض تو تب وارد ہوتا کہ جب فجر سورج کے غروب ہوتے ہی طلوع ہو جائے جیسا کہ امام زیلعی وغیرہ سے منقول بحث آئے گی، اور اس وقت محشی علیہ الرحمۃ کا جواب "بان الخلاف المنقول۔۔۔الخ" یہ اس بحث کا حصہ نہیں بن سکتا۔ محشی علیہ الرحمۃ کی یہ عبارت اور اس میں جو اختلاف مذکور ہے وہ اس سوال میں ہے کہ جو ان کی طرف سے بلغار والوں کے لیے واقع ہوا، کہ زیج کے مطابق بلغار کا عرض (شمالی) ساڑھے انچاس درجے ہے، اور 22 جون (راس السرطان) کو تعدیل نہار کی مقدار، 30.5 (ساڑھے تیس) درجے ہے، اور جانبین (مشرق و مغرب) میں 61 درجے ہے، لہذا افق کے نیچے قوس تقریباً 29 درجے رہ جاتا ہے، پس اس صورت میں فجر غروبِ شفق ہوتے ہی طلوع نہیں ہوتی، بلکہ فجر اس وقت طلوع ہوتی ہے کہ شفق ابھی باقی ہوتی ہے لہذا صرف عشاء اور وتر کا وقت ہی فوت ہوتا ہے (نہ کہ فجر کا بھی)۔ بر خلاف ان علاقوں کے کہ جن کا عرض 45 درجے یا اس سے اوپر ہو کہ اس وقت تعدیل النہار 36 درجے سے زائد ہوتی ہے اور جانبین کا عرض 72 درجے سے زائد ہوتا ہے، تو اس وقت قوس افق کے نیچے 18 درجے سے بھی کم رہ جاتا ہے، لہذا سورج غروب ہوتے ہی روشنی شرقاً غرباً پھیل جاتی ہے، پس اصلاً اندھیرا سبقت نہیں کرتا۔ تو اس تقریر سے ان کا یہ قول رفع ہو گیا کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہاں اندھیرا نہیں ہو گا، لہذا غور و فکر کرو، ہم عنقریب اس پر علامہ حلبی کا تائیدی کلام صفحہ 378 پر ذکر کریں گے۔

Go To Index

غرض: محشی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی غلطی کی نشاندہی اور تحقیق انیق کا بیان۔

عربی عبارات

در مختار: ”(وفاقد وقتهما) كبلغار، فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق في أربعينية الشتاء[1] (مكلف بهما فيقدر لهما).“[2]

رد المحتار: ”(قوله: فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق) مقتضاه أنه فقد وقت العشاء والوتر فقط وليس كذلك، بل فقد وقت الفجر أيضا؛ لأن ابتداء وقت الصبح طلوع الفجر، وطلوع الفجر يستدعي سبق الظلام ولا ظلام مع بقاء الشفق أفاده ح.“[3]

جد الممتار: قوله: ” ولا ظلام مع بقاء الشَّفَق، أفاده ح أقول: لا ظلام مع بقاء الشَّفَق في المغرب، والفجر يستدعي سبق الظلام في المشرق فسقط البحث عن أصله، والحقّ أنّه واردٌ حيث يطلع الفجر مع غروب الشّمس كما يأتي عن "الزيلعيّ" وغيره، وحينئذٍ لا يمسّه جواب المحشّي بأنّ الخلاف المنقول... إلخ ؛ فإنّ الخلاف وقع في سؤالٍ ورد إليهم من "بلغار" وعرضها على ما في الزيج فتعديل نهاره رأس السرطان فيها نحو ومن الجانبين نحو فتبقى القوس تحت الأفق قريب، فلا يطلع الفجر بمجرّد الغروب، نعم! يطلع والشَّفق باقٍ فلا يفوت إلاّ وقت العِشاء والوتر، بخلاف عرض فما فوقه حيث تعديل نهاره فيه أكثر من فمن الجانبين أكثر من فتبقى القوس تحت الأفق أقلّ من فلا تغرب الشمس إلاّ والبياض لائح شرقاً وغرباً، فلا يسبق الظلام أصلاً، فاندفع قوله: (لا نسلّم عدم الظلام هنا)، فليتأمّل. وسنذكر تأييد الحَلَبيّ

1...۔ (قال العلامۃ الشامی علیہ الرحمۃ: صوابہ فی اربعینیۃ الصیف کما فی الباقانی.)

2...۔ (حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص24)

3...۔ (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص24)

Go To Index

صـ378."[1]

مقولہ نمبر(769):لفظ کی اعرابی حالت پر بحث:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے ردالمحتار میں صاحب فتح القدیر سے ایک جزئیہ نقل کیا جس میں ایک قاعدہ بیان ہوا کہ "وانتفاء الدلیل علی الشيء لا یستلزم انتفاءہ."علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس پر حاشیہ لکھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:انتفاءہ کی ہ ضمیر، ضمیرِ منصوب ہے۔

حاشیے کے نیچے مصحح نے اس پر کلام کرتے ہوئے فرمایا:کہ درست یہ ہے کہ انتفاءہ کی ضمیر ضمیر منصوب نہیں بلکہ ضمیر مجرور ہے جیسا کہ بالکل واضح ہے۔اور پھر شروع میں "ھکذا بخطہ" لکھ کر یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ کاتب کی غلطی نہیں ہے بلکہ علامہ شامی کے اپنے قلمی نسخے میں اسی طرح ہی لکھا ہوا ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ ان دونوں باتوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:اگر تو علامہ شامی کے کلام میں لفظ "ضمیرہ" یہ ھا کے ساتھ ہی ہے(یعنی ضمیرہ المنصوب ہے)تو پھر ایسا ہی ہے جیسا کہ مصحح نے فرمایا:کہ یہ ضمیر مجرور ہے۔اور اگر لفظ ضمیر"ھا" کے بغیر ہے(یعنی ضمیر المنصوب ہے)تو پھر یہاں لفظ منصوب ہونا ہی درست ہے(کیونکہ اگر ضمیرہ المنصوب ہو گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انتفاءہ کی ضمیر، ضمیر منصوب ہے حالانکہ یہ درست نہیں کیونکہ یہ مضاف الیہ بن رہی ہے جس وجہ سے یہ مجرور ہو گی۔اور اگر ضمیر المنصوب ہو گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ منصوب لفظ(انتفاء)کی ضمیر یہ شے کی طرف لوٹے گی۔اس کی حالت کا بیان نہیں ہو گا کہ ضمیر

1...(اعلی حضرت،امام احمد رضا خان،جد الممتار،ج3،ص14،15)

Go To Index

مجرور ہوگی یا منصوب)"فافهم"

غرض: دو قولوں میں تطبیق۔

عربی عبارات

ردالمحتار: "أما الذي ذكره الكمال فهو قوله ومن لا يوجد عندهم وقت العشاء أفتى البقالي بعدم الوجوب عليهم لعدم السبب كما يسقط غسل اليدين من الوضوء عن مقطوعهما من المرفقين، ولا يرتاب متأمل في ثبوت الفرق بين عدم محل الفرض وبين عدم سببه الجعلي الذي جعل علامة على الوجوب الخفي الثابت في نفس الأمر وجواز تعدد المعرفات للشيء فانتفاء الوقت المعرف، **وانتفاء الدليل على الشيء لا يستلزم انتفاءه.**"(1)

وفي منهيته: "وضميره المنصوب (اي: ضمير انتفاءه) هكذا بخطه، وصوابه: وضميره المجرور كما لا يخفي، اه."(2)

جد الممتار: "قوله: هكذا بخطّه وصوابه...إلخ: أقول: إن كان اللفظ ضميره بالهاء فكما قال، وإن كان بغير الهاء فصحيحه المنصوب، فافهم."(3)

مقولہ نمبر (770): جن ممالک میں عشاء کا وقت نہیں آتا وہاں عشاء کی نماز لازم ہوگی یا نہیں؟

صاحب در مختار نے ان علاقوں کا ذکر فرمایا: کہ جہاں عشاء کا وقت آتا ہی نہیں شفق کے ڈوبتے ہی فجر طلوع ہو جاتی ہے، تو اس کے بارے میں دو مؤقف ہیں، بعض کے نزدیک وہاں کے

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص26)

2...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص ٥٠٣، دار الثقافة والتراث)

3...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص16)

Go To Index

لوگوں پر عشاء کی نماز لازم ہی نہیں ہو گی۔ کیونکہ نماز کا لزوم سبب کے پائے جانے سے ہوتا ہے اور یہاں سبب نہیں پایا گیا۔ اور بعض فقہاء کے نزدیک نماز واجب ہو گی۔

وجوب نماز کے قائل علمائے کرام نے حدیث دجال پر قیاس کیا کہ دجال کے آنے پر پہلا دن سال کے برابر دوسرا مہینے کے برابر اور تیسرا دن ہفتہ کے برابر ہو گا تو وہاں بھی ایک وقت میں تین سو سے زائد نمازیں پڑھنی ہوں گی حالانکہ ابھی وقت تو ایک ہی نماز کا ہوا ہو گا، تو یہاں بھی اگرچہ وقت نہیں آیا لیکن ان پر قضاء لازم ہو گی۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے ردالمحتار میں ان لوگوں کے قیاس کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ان کا فاقد وقت عشاء والے مسئلے کو حدیث دجال والے مسئلہ پر قیاس کرنا درست نہیں، کیونکہ وہاں تو سبب یعنی وقت موجود ہو گا اور اتنا وقت بھی ہو گا کہ اس میں نماز ادا کی جا سکے، جبکہ مذکورہ مسئلہ میں تو نہ ہی وقت پایا جا رہا ہے اور نہ ہی اتنا ٹائم کہ جس میں نماز ادا کی جا سکے۔ گویا کہ زوال کا وقت اور سایہ کا ایک مثل یا دو مثل ہونا، اسی طرح سورج کا غروب ہونا، اور شفق کا غائب ہونا، نیز طلوع فجر وغیرہ یہ سب کچھ وہاں بھی فرض کیا جائے گا۔ لیکن یہاں ایسا نہیں کیونکہ یہاں تو نماز کا وقت ہی نہیں پایا جا رہا۔

(یعنی اس مکمل کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ دجال کے زمانے میں جو چند دن عام معمول کے خلاف طویل ہوں گے، تو وہاں سابقہ ایام کے وقت پر قیاس کرتے ہوئے نمازوں کے اوقات کا تعین کیا جائے گا جبکہ آج کل مختلف موسموں میں جہاں سورج جلدی طلوع ہو جاتا ہے تو وہاں چونکہ وقت طویل نہیں ہوتا بلکہ وقت ہی مختصر ہو جاتا ہے۔ اس لیے دجال والے زمانے کا یہاں

Go To Index

قیاس کرنا درست نہیں۔ مترجم)

قائلین وجوب نماز کی دلیل کا دوسرا جواب نقل کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت علیه الرحمة لکھتے ہیں: بلکہ سید المکاشفین شیخ اکبر رضی الله عنه فرماتے ہیں: کہ سورج ان دنوں (دجال کے زمانے) میں بھی اپنی عادت کے مطابق ہی طلوع و غروب ہو گا، لیکن دن کو بادل اور رات کو روشنی ہو گی لہٰذا دونوں وقتوں میں اشتباہ پڑ جائے گا، گمان کرنے والا گمان کرے گا کہ دن ابھی باقی ہے لیکن ایسا نہ ہو گا۔ اگر اس قول کو لیا جائے تو پھر دجال والی حدیث مبارک سے اصلاً دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔

غرض: مزید افادے کا بیان۔

عربی عبارات

ردالمحتار: "ولئن سلم القياس فلا بد من المساواة ولا مساواة، فإن ما نحن فيه لم يوجد زمان يقدر للعشاء فيه وقت خاص. والمفاد من الحديث أنه يقدر لكل صلاة وقت خاص بها ليس هو وقتا لصلاة أخرى، بل لا يدخل وقت ما بعدها قبل مضي وقتها المقدر لها، وإذا مضى صارت قضاء كما في سائر الأيام فكأن الزوال وصيرورة الظل مثلا أو مثلين وغروب الشمس وغيبوبة الشفق وطلوع الفجر موجودة في أجزاء ذلك الزمان **تقديرا بحكم الشرع** ولا كذلك هنا إذ الزمان الموجود إما وقت للمغرب في حقهم أو وقت للفجر بالإجماع فكيف يصح القياس."[1]

---

1 ... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص27)

Go To Index

جد الممتار: قوله: ”تقديراً بحكم الشرع: بل الذي أفاد سيّد المكاشفين الشيخ الأكبر رضي الله تعالى عنه أنّ الشّمس تطلع وتغرب في تلك الأيّام كعادتها، ولكن يكون بالنهار غمام وبالليل ضوء، فيشتبه الوقتان ويظنّ أنّ النهار مستمرّ وليس كذلك، وعلى هذا لا متمسّك لهم في الحديث أصلاً.“[1]

مقولہ نمبر (771): وجوب وعدم وجوب میں کون سا قول زیادہ قوی ہے:

تنویر الابصار میں مسئلہ بیان کیا گیا وہ ممالک کہ جہاں عشاء کا وقت ہی نہیں آتا، بلکہ غروب شفق سے پہلے ہی فجر طلوع ہو جاتی ہے، تو کیا ان پر عشاء کی نماز کی قضاء لازم ہو گی یا نہیں؟ اس کے متعلق دو مؤقف بیان کیے، پہلا مؤقف یہ کہ ان پر عشاء کی قضاء لازم ہو گی، اور اسے علامہ کمال ابن ہمام اور ابن شحنہ وغیرہ نے اختیار کیا ہے، اور دوسرا مؤقف یہ کہ ان پر قضاء لازم نہ ہو گی، کیونکہ ان کے لیے سبب ہی نہیں پایا گیا۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس کے تحت طویل کلام فرماتے ہیں، اور اس کے بعد حاصل کلام میں فرمایا کہ: وجوب اور عدم وجوب والے دونوں قول تصحیح شدہ ہیں۔ اور وجوب والے قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس کے قائل ایک مجتہد امام یعنی امام شافعی ہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: امام مالک کا مذہب بھی وجوب والا ہی ہے کیونکہ ان کے نزدیک مغرب کا وقت صرف پانچ رکعات پڑھنے کی مقدار ہوتا ہے اور اس کے بعد عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے، لہٰذا شفق کا باقی رہنا ان کے نزدیک عشاء کے لیے مضر نہیں، ہاں البتہ! باقی

---

1 ...۔ (اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص16)

Go To Index

رہا یہ کلام کہ اگر غروب شمس کے فورا بعد یا پانچ رکعات کی مقدار وقت گزرنے کے فورا بعد طلوع فجر ہو جائے تو پھر امام مالک کے نزدیک بھی عشاء کا وقت آئے گا ہی نہیں، تو اس میں پہلی بات (غروب شمس کے فوراً بعد طلوع فجر ہو جائے) کا جواب یوں ممکن ہے کہ ہم یہ بات تسلیم ہی نہیں کرتے کہ وہ فجر ہو گی، کیونکہ فجر تو اپنے سے پہلے اندھیرے کی متقاضی ہے اور یہاں تو اندھیرے سے پہلے ہی طلوع ہو چکا لہذا یہ فجر نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ اس کتاب کے محشی علامہ حلبی کے حوالے سے یہی بات نقل کی گئی، اور اگر اس کو فجر قرار دیا جائے تو مغرب کا وقت باقی نہ رہے گا، حالانکہ اس کا سبب (غروب شمس) یقینی طور پر موجود ہے اور اس سے پھیرنے والا بھی کوئی نہیں، لہذا اس کو فجر کہنا یہ اسباب کے درمیان خلط ملط کرنا ہو گا (یعنی ایک نماز (مغرب) کا وقت شروع ہوا سبب (غروب شمس) کے پائے جانے کیوجہ سے تو ابھی اسے ادا کرنے کا موقع ہی نہ ملا تو دوسری نماز (فجر) کا سبب (طلوع فجر) بھی پایا گیا)، اور یہ باطل ہے، لہذا وہ روشنی طلوع فجر نہیں کہلائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غرض:مزید افادے کا بیان۔

عربی عبارات

درمختار:"(وفاقد وقتهما) كبلغار، فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق في أربعينية الشتاء (مكلف بهما فيقدر لهما) ولا ينوي القضاء لفقد وقت الأداء به أفتى البرهان الكبير واختاره الكمال، وتبعه ابن الشحنة في ألغازه فصححه، فزعم المصنف أنه المذهب (وقيل لا) يكلف بهما لعدم سببهما."[1]

---

1 ... (حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، درمختار، ج2، ص24)

Go To Index

ردالمحتار: ”والحاصل أنهما قولان مصححان، ويتأيد القول بالوجوب بأنه قال به إمام مجتهد وهو الإمام الشافعي كما نقله في الحلية عن المتولي عنه.“[1]

جدالممتار: **قوله:** ”قال به إمام مجتهد، وهو الإمام الشافعيّ: أقول: وأيضاً من مذهب الإمام مالك رضي الله تعالى عنه أنّ وقت المغرب قدر خمس ركعاتٍ ثُمّ العشاء، فبقاء الشّفق لا يضرّ، نعم! بقي الكلام حيث يطلع الفجر كما تغرب الشّمس أو بعد قدر يسع خمس ركعاتٍ، ويمكن الجواب عن الأوّل: إنّا لا نسلّم أنّه فجر لعدم سبق الظلام كما تقدّم عن محشّي الكتاب السيّد الحَلَبيّ، ولو كان فجراً لَم يبق الوقت للمغرب مع أنّ سببها موجود قطعاً لا مردّ له، فجعلُه فجراً خلط بين الأسباب، وهو باطل، والله تعالى أعلم.“[2]

مقولہ نمبر (772): زمانہ دجال کے پہلے دن نماز عصر کتنی مرتبہ پڑھی جائے گی؟

ایسے علاقے کہ جہاں پر عشاء کی نماز کا وقت نہیں آتا بلکہ شفق ڈوبنے سے پہلے ہی طلوع فجر ہو جاتی ہے تو ان لوگوں پر نماز عشاء واجب ہو گی یا نہیں اس کے متعلق فقہائے کرام کے دو قول بیان ہوئے، بعض کے نزدیک واجب نہیں ہو گی، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہاں سبب (وقت) ہی نہیں پایا جا رہا لہذا مسبب (نماز) بھی لازم نہ ہو گی۔ اور بعض کے نزدیک نماز لازم ہو گی ان کی دلیل ایک تو یہ ہے کہ اگرچہ سبب عرفی (وقت) نہیں پایا جا رہا لیکن سبب حقیقی (امر الٰہی) تو پایا جا رہا ہے، تو اس کے ہوتے ہوئے نماز کے لزوم کا حکم دیا جائے گا، اور دوسری دلیل انہوں نے حدیث دجال کو بنایا کہ وہاں پر جو ایک دن ایک سال کا ہو گا، لیکن ہر نماز کئی مرتبہ حتی کہ تین

1... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص28)

2... (اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص17)

Go To Index

سو سے زائد مرتبہ پڑھی جائے گی، حالانکہ وہاں سبب تو ایک ہی مرتبہ پایا جارہا ہے، لیکن نمازیں متکرر ہو رہی ہیں۔

علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمۃ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ: حدیث دجال ہمارے والے مسئلہ کی مساعدت نہیں کرتی اور اس پر قیاس کرنا بھی درست نہیں، کیونکہ اگرچہ وہاں پر تین سو سے زائد ایک وقت میں ہی ظہریں واجب ہوں گی لیکن وہاں وقت اور زمانہ یہ دونوں پائے جارہے ہیں جبکہ فاقد وقت العشاء والے مسئلہ میں نہ سبب ہے اور نہ ہی وقت کہ جس میں نماز ادا کی جاسکے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ ردالمحتار میں اس کے تحت فرماتے ہیں: حدیث مبارک میں مذکور ہے کہ ایک دن سال بھر کے برابر ہوگا، تو زوال سے پہلے نصف سال (چھ ماہ، ۱۸۰ دن) گزر چکا ہوگا، لہذا اس عرصے میں تین سو سے زائد ظہروں کا آنا یہ ممکن نہیں (بلکہ ۱۸۰ نمازیں بنیں گی)، لہذا مناسب یہ تھا کہ کمال ابن ہمام کی تعبیر کو ذکر کیا جاتا وہ یہ کہ: سایہ اصلی کے ایک مثل یا دو مثل ہونے سے پہلے تین سو سے زائد عصریں واجب ہو چکی ہوں گی (کیونکہ سورج کے دو مثل پہنچنے تک اس کو ۳۰۰ دن لگ جائیں گے)۔ لیکن ظاہر یہی ہے کہ دو مثل کا کہا جائے، کیونکہ وہ دن کے چھ میں سے پانچویں حصے کے قریب ہے بر خلاف ایک مثل کے۔

اس کے تحت اعلی حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے جو یہ توجیہ کی ہے کہ مثل ثانی سے قبل عصر کی تین سو سے زائد نمازیں واجب ہو چکی ہوں گی کیونکہ دو مثل یہ دن کے چھ حصوں میں سے پانچویں حصے کے قریب ہے تو یہ توجیہ بالمخالف ہے، کیونکہ عرف عام میں قرب کا معنی یہ ہے کہ دن کے چھ حصوں میں سے پانچویں حصے تک نہ پہنچے، تو پھر

کس طرح عصر تین سو سے زائد لازم ہو سکتی ہیں، کیونکہ ایک سال میں چونکہ ۳۶۰ دن ہوتے ہیں اور اگر اس کے چھ حصے کیے جائیں تو ہر سدس دو مہینے کا ہو گا، اگر ہر مہینے کو 30 دن کا بھی فرض کر لیا جائے تو (پانچویں حصہ تک) مجموعی نمازیں تین سو تو بن سکتی ہیں، لیکن تین سو سے زائد نہیں ہو سکتیں۔ اور درست مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے بلاد میں عصر کی نماز کا وقت کبھی بھی دن کے چھٹے حصے تک نہیں پہنچتا، بلکہ ہمیشہ یہ سدس النہار سے کم ہی ہوتا ہے، لہذا اس سے پہلے کا جو وقت ہو گا وہ دن کے (چھ میں سے) پانچویں حصے سے زیادہ نہیں ہو گا، اور جب پانچویں سے زیادہ نہیں ہو گا تو پانچویں حصے کے اندر اندر تین سو تک عصر کی نمازیں ادا ہو سکتی ہیں، تین سو سے زائد نہیں۔

غرض: مسئلہ کی مخالف توجیہ پر تنبیہ اور موافق توجیہ کا بیان۔

عربی عبارات

در مختار: قلت: "ولا يساعده حديث الدجال؛ لأنه وإن وجب أكثر من ثلثمائة ظهر مثلا قبل الزوال ليس كمسألتنا؛ لأن المفقود فيه العلامة لا الزمان، وأما فيها فقد فقد الأمران"[1]

ردالمحتار: "(قوله: أكثر من ثلثمائة ظهر إلخ) فيه أن الوارد أن اليوم كسنة فما قبل الزوال نحو نصف سنة ولا يتكرر فيه الظهر هذا العدد، فالمناسب تعبير الكمال بما مر من قوله فقد وجب أكثر من ثلثمائة عصر قبل صيرورة الظل مثلا أو مثلين لكنه ظاهر في المثلين؛ لأنه قريب من خمسة أسداس النهار بخلاف المثل، والأظهر قوله مثلا قبل الزوال ليس

---

1 ... (حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص28،29)

کمسألتنا؛لأن المفقود فیه العلامة لا الزمان، وأما فیها فقد فقد الأمران.“[1]

جد الممتار: قوله:”من خمسة أسداس النهار:أقول: هذا توجيه بالمخالف؛ لأنّ معنى القرب عرفاً أنّه لَم يبلغ خمسة أسداس، فكيف يكون العصر أنّه من ثلاثمائة؛ لأنّ كلّ سدس شهران، وإن فرض الجميع ثلاثين يوماً مع أنّه لا يكون قطّ فيكون المجموع ثلاث مائة لا أكثر لكنّ الصّواب أنّ وقت العصر لا يبلغ قطّ في بلادنا سدس النهار، بل يكون دائماً أقلّ منه، فماقبله أكثر من خمسة أسداس النهار فيتعذّر أن يكون العصر أكثر من ثلاث مائة.“[2]

مقولہ نمبر(773):زمانہ دجال میں نماز عشا کتنی مرتبہ ادا کی جائے گی؟

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے”علامہ شرنبلالی“علیہ الرحمۃ کا ایک قول نقل کیا کہ: حدیث دجال کے مطابق پہلا دن چونکہ ایک سال کے برابر ہو گا تو اس میں طلوع فجر سے پہلے تین سو سے زائد عشاء کی نمازیں واجب ہوں گی۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس زیادتی کی تعیین فرماتے ہیں کہ: عشاء کی نماز 355یا356 (اسلامی نقطہ نظر سے) مرتبہ واجب ہو گی، ایک نماز رات میں، اوربقیہ 354یا355 دن میں ادا کی جائیں گی(کہ جو وقت کا اندازہ لگا کر پڑھنی ہوں گی)۔

غرض: مسئلہ کی تعیین۔

عربی عبارات

ردالمحتار:” والأظهر قوله في الشرنبلالية وإن وجب أكثر من ثلثمائة عشاء مثلا قبل

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص29)

2...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص18)

Go To Index

طلوع الفجر.[1]

جد الممتار: قوله: أكثر من ثلاث مائة عشاءٍ: أي: ثلاث مائة وخمساً وخمسين أو ستّاً وخمسين واحدةً بالليل، والبواقي بالنهار.[2]

مقولہ نمبر (774): ان علاقوں میں روزے اداء ہوں گے یا قضاء؟

ایسے علاقے کہ جہاں پر سورج کے غروب ہوتے ہی فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، وہاں کے لوگوں کے روزوں کے متعلق کیا حکم ہو گا کہ وہ افطار کس طرح کریں گے، نہ تو یہ ممکن ہے کہ ان کو کہا جائے کہ بغیر افطار کیے روزے رکھتے رہو، کیونکہ یہ چیز ہلاکت کی طرف لے جائے گی، اور نہ ہی ان پر روزوں کے عدم وجوب کا قول کر سکتے ہیں۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ہمارے فقہاء میں سے کسی کا اس کو بیان کرنا، میری نظر سے نہیں گزرا پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق تین اقوال ذکر کیے، مگر ترجیح کسی کو نہیں دی بس تامل کی دعوت دے کر بات ختم کر دی۔ **پہلا قول** یہ کہ ان علاقوں کے جو قریب قریب کے علاقے ہیں وہاں کے اعتبار سے ان کی راتوں کا اندازہ لگایا جائے گا۔ **دوسرا قول** یہ کہ ان کے لیے اتنے وقت کی گنجائش رکھی جائے کہ جس میں یہ کھا پی کر فارغ ہو سکیں۔ **تیسرا قول** یہ کہ ان پر ان دنوں کے روزن کی قضاء واجب ہو گی ادا واجب نہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے **تیسرے قول** کو ترجیح دی ہے اور کہا کہ یہی فقہ ہے، کیونکہ طلوع فجر کے بعد روزے دار کو کھانے پینے کی اجازت دینا یہ شرعاً معہود نہیں ہے، پھر یہ کہ اس

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، رد المحتار، ج2، ص29)

2...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص19)

Go To Index

طرح ایک شے کو اس کی ضد اور منافی کے ساتھ جمع کرنا بھی لازم آرہا ہے، جو کہ درست نہیں۔

غرض: مختلف اقوال میں ترجیح۔

عربی عبارات

ردالمحتار: "لم أر من تعرض عندنا لحكم صومهم فيما إذا كان يطلع الفجر عندهم كما تغيب الشمس أو بعده بزمان لا يقدر فيه الصائم على أكل ما يقيم بنيته، ولا يمكن أن يقال بوجوب موالاة الصوم عليهم؛ لأنه يؤدي إلى الهلاك. فإن قلنا بوجوب الصوم يلزم القول بالتقدير، وهل يقدر ليلهم بأقرب البلاد إليهم كما قاله الشافعية هنا أيضا، أم يقدر لهم بما يسع الأكل والشرب، أم يجب عليهم القضاء فقط دون الأداء كل محتمل، فليتأمل."[1]

جد الممتار: قوله: "ام يجب عليهم القضاء فقط: اقول: هو الفقه، اذ اباحة الاكل للصائم بعد طلوع الفجر قصداً غير معهود فى الشرع، ثم فيه جمع شیء مع المنافی."[2]

مقولہ نمبر: (775): ظہر کا مکروہ وقت کب؟

علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: **طحطاوی علی مراقی الفلاح میں حموی اور حموی میں "خزانۃ" کے حوالے سے یہ بات منقول ہے کہ "ظہر کا مکروہ وقت تب شروع ہوتا ہے جب ظہر حد اختلاف میں داخل ہو جائے، اور اختلاف کی حد یہ ہے کہ جب ظہر کو اتنا مؤخر کیا جائے کہ ہر شے کا سایہ اس کی ایک مثل ہو جائے۔"**

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے ایک اور کتاب کا حوالہ دے دیا کہ قہستانی میں بھی "خزانۃ"

1۔۔۔ (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص29)

2۔۔۔ (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص19)

Go To Index

کے حوالے سے یہی قول مذکور ہے۔ نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے "خزانۃ" کی تعیین بھی فرمادی کہ یہاں مراد "**خزانۃ الواقعات**" ہے اور اس پر دلیل یہ پیش کی کہ: حلبۃ المجلی میں یہی قول "**خزانۃ الواقعات**" کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے چنانچہ حلبہ میں ہے: "**خزانۃ الواقعات**" اور "شرح جصاص" میں ہے: ظہر کا مکروہ وقت تب شروع ہو گا جب وہ حد اختلاف میں داخل ہو جائے گی۔

غرض: محولہ کتاب کی تعیین اور مزید جزئیے کا استخراج۔

عربی عبارات

ردالمحتار: "وفي ط عن الحموي عن الخزانة: الوقت المكروه في الظهر أن يدخل في حد الاختلاف، وإذا أخره حتى صار ظل كل شيء مثله فقد دخل في حد الاختلاف." [1]

جد الممتار: "قوله: عن الحموي عن الخِزانة: ومثله القُهستاني عنها، والمراد بها خزانة الواقعات لما في الحلبة ما نصّه في خزانة الواقعات وفي شرح الجصّاص: الوقت المكروه في الظهر أن يدخل في حدّ الاختلاف." [2]

مقولہ نمبر (776): ظہر میں مکروہ وقت ہے یا نہیں؟

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے طحطاوی میں حموی سے اور انہوں نے "خزانۃ" سے نقل کیا: ظہر میں جو مکروہ وقت ہے وہ یہ ہے کہ ظہر حد اختلاف میں پہنچ جائے، اور حد اختلاف یہ ہے کہ ہر شے کا سایہ، اصلی سائے کے علاوہ ایک مثل ہو جائے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں اس بارے میں کہتا ہوں: ہمارے امام کا مذہب

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص30)

2...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص19،20)

Go To Index

یہ ہے (کہ ظہر کے پورے وقت میں کوئی وقت بھی مکروہ نہیں ہے) اور جو امام اعظم رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہوئے مثل ثانی میں ظہر ادا کریں، ان پر ملامت نہیں کی جائے گی، البتہ اختلاف کی رعایت کرنا مستحب ہے یعنی یہ کہ ایک مثل سایہ مکمل ہونے سے پہلے ہی نماز ظہر ادا کر لی جائے۔ لیکن ترک مستحب کراہت کو مستلزم نہیں۔ ہدایہ، کافی، تبیین، اور فتح و غیرہم اکثر متکلمین نے امام اعظم رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید میں وہ حدیث پیش کی ہے جس میں فرمایا گیا کہ: "ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو" اور صحابہ کرام کے علاقوں میں دن کی یہ ٹھنڈک اس وقت ہوتی تھی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل مکمل ہو کر دو مثل میں داخل ہو جاتا تھا۔ اور اتنے متکلمین کا امام کی جانب ہونا یہ امام صاحب کے قول کو مزید تقویت دیتا ہے۔ اور جو بندہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ: حرمین طیبین کے دیار میں مثل اول میں شدید گرمی ہوتی ہے اور حدیث ابراد کا مقصد یہ ہے کہ اتنی دیر صبر کرو کہ جب تک کہ یہ وقت گزر جائے تو اس کو یہ بات بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ ابراد (مثل ثانی) میں ظہر پڑھنا مستحب ہے چہ جائیکہ وہ کراہت کا قول کرے۔

پھر اگر کراہت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہاں کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی کہ جس کا وہم ظاہر اطلاق سے ہوتا ہے، کیونکہ کراہت کے تحریمی ہونے پر اصلاً کوئی دلیل نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: ظہر میں مکروہ وقت نہیں ہے اس بات پر دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ: ((ظہر کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ عصر کا وقت شروع نہ ہو جائے، اور عصر کا وقت سورج کے متغیر ہونے تک ہے، اور مغرب کی نماز کا وقت شفق کی سرخی ڈوبنے تک ہے، اور عشاء کا وقت نصف اللیل تک ہے، اور فجر کی نماز کا وقت سورج طلوع ہونے

Go To Index

تک ہے))،اس حدیث مبارک کو امام احمد،امام مسلم،ابو داؤد،نسائی،نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنھما سے روایت کیا ہے۔حدیث مبارک کا سیاق اس بات پر شاہد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پر نمازوں کے مستحب اوقات کو بیان کرنے کے در پے ہوئے ہیں۔اسی وجہ سے تو عصر کے بارے میں فرمایا: کہ جب تک سورج زرد نہ ہو جائے اور مغرب کے بارے میں فرمایا: کہ جب تک شفق کی سرخی ڈوب نہ جائے۔یہ نہیں فرمایا کہ: شفق ساقط نہ ہو جائے۔اور عشاء کے متعلق فرمایا کہ: نصف اللیل تک وقت اخیر ہے۔اور جب فجر میں کوئی وقت مکروہ نہیں تھا تو اس کے آخری وقت تک اس کے وقت کو ذکر کیا اور فرمایا کہ جب تک (سورج طلوع نہ ہو جائے)۔اسی طرح سے ظہر کے آخری وقت کو بھی اس طرح بیان فرمایا کہ جب تک عصر کا وقت شروع نہ ہو جائے،پس اس سے ثابت ہوا کہ ظہر میں بھی مکروہ وقت نہیں ہے دونوں قولوں پر یعنی: امام اعظم اور صاحبین دونوں کے قول پر پس اگر کوئی یہ گمان کرے کہ یہ حدیث صاحبین کے قول (ظہر کا وقت ایک مثل تک ہے) پر جاری ہوئی ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ یہ کہے مثل اول گزرنے کے بعد ظہر کی نماز قضاء ہو جاتی ہے نہ کہ مکروہ (حالانکہ کسی کے نزدیک بھی ایسا نہیں ہے)۔

تو حاصل کلام یہ ہوا کہ جو بھی وقتِ ظہر میں مثل ثانی کے مکروہ ہونے کا قول کرے گا، تو وہ امام اعظم کے موقف کے مطابق ہی اس کو مکروہ کہے گا،تو پھر اس کے لیے اس کی گنجائش نہیں کہ اس حدیث کو امام کے مذہب کے خلاف پر محمول کرے (کیونکہ اس میں ظہر سے عصر تک کے مکمل وقت کے مستحب ہونے کا بیان ہے۔)

پھر میں نے کنز کے تحت بحر الرائق میں یہ قول دیکھا: فجر اور ظہر کے دونوں وقتوں میں مکروہ وقت نہیں ہے لہذا ان میں تاخیر نقصان دہ نہیں ہے۔

Go To Index

توبحر کا یہ قول ہماری بیان کردہ تفصیل کی تائید میں نص ہے، وباللہ التوفیق۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ صاحب بحر ان لوگوں میں سے ہیں کہ جنہوں نے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے قول پر اعتماد کیا ہے۔

غرض: **امام اعظم کے مؤقف کی وضاحت اور اس کی تائید میں دلائل سے کلام۔**

عربی عبارات

ردالمحتار: ”وفي ط عن الحموي عن الخزانة: الوقت المكروه في الظهر أن يدخل في حد الاختلاف، وإذا أخره حتى صار ظل كل شيء مثله فقد دخل في حد الاختلاف.“[1]

جد الممتار: ”قوله: الوقت المكروه في الظهر: أقول: فيه أنّ مذهب إمامنا معلومٌ، ومن تبعه غير ملوم، ومراعاة الخلاف إنّما تستحبّ، وترك المستحبّ لا يستلزم الكراهة، وتعليل "الهداية" و"الكافي" و"التبيين" و"الفتح" وغيرهم عامّة المتكلّمين من جانب الإمام؛ لمذهب الإمام بحديث الإبراد، وإنّه لا يحصل في ديارهم إلاّ في المثل الثاني يقطع بضعف هذا ومن سلّم صدق المقدّمة القائلة: إنّ المثل الأوّل وقت شدّة الْحَرّ في ديارهم وإنّ المقصود بحديث (أَبْرِدُوْا): هو الصبر حتّى يخرج ذلك الوقت، وجب عليه أن يقول باستحباب الإيقاع في المثل الثاني في الصَّيْف فضلاً عن الكراهة، ثُمّ إن سلّمت هذه الكراهة وسلّمت عمّا يرد عليها، وجب أن يكون المراد بها كراهة التّنزيه دون التّحريم المتوهّم من ظاهر الإطلاق؛ إذ لا دليل عليه أصلاً. أقول: ومن الدّليل على أن لا مكروه في وقت الظهر قوله صلّى الله تعالى عليه وسلّم: (وقت صلاة الظهر ما لَم يحضر العصر، ووقت صلاة العصر ما لَم

---

1 ... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص30)

Go To Index

تصفرّ الشّمس، ووقت صلاة المغرب ما لَم يسقط ثور الشَّفَق، ووقت صلاة العشاء إلى نصف الليل، ووقت صلاة الفجر ما لَم يطلع قرن الشّمس)[1]، رواه الإمام أحمد، ومسلم، وأبو داؤد، والنّسائي، عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما، فإنّ سياق الحديث شاهدٌ بأنّ النبيّ صلّى الله تعالى عليه وسلّم هاهنا بصدد بيان الوقت المستحبّ، ولذا قال في العصر: (ما لَم تصفرّ الشّمس) وفي المغرب: (ما لَم يسقط ثور الشّفق) أي: ثورانه ومُعْظَمه، ولَم يقل: ما لَم يسقط الشّفَق، وفي العشاء: (إلى نصف الليل) ولما لَم يكن في الفجر وقت مكروه في آخره مدّه إلى آخره، وقال: (ما لَم يطلع قرن الشّمس) وكذلك مدّ في الظهر إلى أن يحضر وقت العصر، فوجب أن لا يكون فيه أيضاً مكروه على القولين، أعني: قول الإمام وقول الصّاحبين، فإن زعم الزاعم أنّ الحديث جارٍ على مذهب الصّاحبين وجب أن يقول بصيرورة الصّلاة قضاءً بعد المثل لا مكروهة، فحسب. والحاصل: أنّ القائل بالكراهة ماشٍ على مذهب الإمام فلا يسوغ له حمل الحديث على خلاف مذهبه، فافهم. ثُمّ رأيت في "البحر الرائق" تحت قوله: "وما فيها عين يوم غين ويؤخّر غيره فيه" ما نصّه: (الفجر والظهر لا كراهةَ في وقتهما فلا يضرّ التأخير) اهـ. فهذا نصّ فيما قلنا وبالله التوفيق، ومعلوم أنّ صاحب "البحر" من الذين اعتمدوا قول الإمام في وقت الظهر."[2]

مقولہ نمبر (777): باعتبار وقت جمعہ ظہر کی طرح ہی ہے۔

صاحب تنویر الابصار نے مسئلہ بیان کیا کہ "جمعہ اصل (یعنی وقت جواز کے شروع ہونے اور مکروہ وقت کے داخل ہونے) اور مستحب وقت کے اعتبار سے سردی و گرمی دونوں میں ظہر کی طرح ہے۔

---

1 ... (احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبل، مسند امام احمد بن حنبل، مسند المکثرین من الصحابہ، مسند عبد اللہ ابن عمر، الرقم 6993)

2 ... (اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج 3، ص 20 تا 22)

Go To Index

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے مختلف کتابوں سے اس قول کی تائید میں جزئیات نقل فرمائے ہیں۔چنانچہ بحر الرائق میں ہے: کہ جمعہ اصل اور استحباب کے اعتبار سے دونوں زمانوں(سردی وگرمی)میں ظہر کی طرح ہی ہے۔

اشباہ کے باب احکام الجمعہ میں ہے کہ:جمعہ میں ابراد یعنی اسے ٹھنڈا کر کے پڑھنا سنت نہیں۔علامہ حموی علیہ الرحمۃ اس کے تحت فرماتے ہیں: کہ میں کہتا ہوں کہ: صاحب اشباہ کا اپنا قول ان کی دوسری تصنیف بحر الرائق میں ذکر کردہ قول کے منافی ہے اس میں آپ علیہ الرحمۃ نے یہ ذکر کیا ہے:جمعۃ المبارک اوقات میں تقدیم وتاخیر کے اعتبار سے ظہر کی طرح ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے کہ گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا مستحب ہے تمام شہروں میں،اور جمعہ ظہر کی طرح ہی ہے۔اور اس بات کو طحطاوی علی مراقی الفلاح میں بھی برقرار رکھا گیا ہے۔

حلبہ کے مقصد ثالث میں جمعۃ المبارک کی ادائیگی کے طریقے کے حوالے سے ہے کہ: امام صاحب زوال کے بعد نکلیں اور اپنے منبر پر بیٹھ جائیں اور ان کے سامنے اذان دی جائے،پھر اذان سے فراغت کے بعد امام خطبہ دے،اور اس کے بعد جماعت کھڑی کی جائے۔ملخصًا۔علامہ طحطاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کہ شاید اس مسئلہ کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔

غرض:مسئلہ کی تائید اور اس پر مزید کتب سے جزئیات کا استخراج۔

عربی عبارات

تنویر الابصار:"(وجمعة کظهر اصلاً واستحباباً) فی الزمانین."[1]

---

1 ...۔ (تمرتاشی، محمد بن عبد اللہ، تنویر الابصار، ج2، ص31)

Go To Index

جد الممتار: قال: ''أي: الدرّ: (وجمعة كظهر أصلاً واستحباباً): الجمعة كالظهر أصلاً واستحباباً في الزمانين كذا ذكر الإسبيجابي اهـ بحر. لا يسنّ الإبراد بها اهـ أشباه من أحكام الجمعة. أقول: هذا مخالف لما في شرح الكنز للمصنّف: أنّ الجمعة كالظّهر تقديماً وتأخيراً في بيان الأوقات اهـ حموي. يستحبّ الإبراد بالظّهر في الصّيف في كلّ البلاد والجمعة كالظّهر اهـ مراقي. وأقرّه عليه طم، المقصد الثالث في بيان كيفية أدائها هو أن يخرج الإمام بعد الزوال، فيصعد المنبر ويؤذّن بين يديه، فإذا فرغ خطب، فإذا فرغ أقام اهـ ملخّصاً حلبة. لعلّ في المسألة روايتين اهـ ط''[1]

مقولہ نمبر (778): جمعہ میں ابراد سنت ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے ردالمحتار میں ''اشباہ'' کے حوالے سے ایک جزئیہ نقل کیا ہے کہ: جمعۃ المبارک کو ٹھنڈا کرکے پڑھنا سنت نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کہ میں کہتا ہوں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جمعہ میں ابراد سنت نہ ہو؟ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث مبارک میں ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم گرمی کے دنوں میں جمعہ کو ٹھنڈا کرکے پڑھتے تھے۔ جیسا کہ امام بخاری نے اس کو روایت کیا ہے، اور اپنی صحیح میں اس کے لیے ایک پورا باب باندھا ہے۔ لیکن اس حدیث کے مرفوع ہونے میں احتمال ہے جیسا کہ فتح الباری میں مذکور ہے۔

غرض: علامہ شامی علیہ الرحمۃ کے تسامح کی نشاندہی

1 ...۔ (اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص22)

Go To Index

عربی عبارات

ردالمحتار:"لکن جزم فی "الاشباہ" من فن الاحکام: انہ لا یسن لھا الابراد."[1]

جدالممتار: قوله: "أنّه لا يسنّ لها الإبراد: أقول: كيف هذا وقد صحّ: أنّ النبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم كان يُبرد بها في الحرّ كما رواه الإمام البخاريّ[2]، وعقد له باباً في صحيحه، لكن في رفعه احتمال كما بيّنه في فتح الباري."[3]

مقولہ نمبر (779): سورج کی مختلف حالتوں کا بیان۔

صاحب در مختار نے عصر کی نماز کے متعلق ارشاد فرمایا: کہ سردیوں اور گرمیوں میں اسے تاخیر کے ساتھ پڑھا جائے گا تاکہ نوافل کے لیے وقت میں وسعت رہے (کیونکہ عصر کے بعد نوافل پڑھنا جائز نہیں)، ہاں اتنی تاخیر نہ کی جائے کہ سورج متغیر ہو جائے اور تغیر کی علامت یہ ہے کہ اس کی طرف دیکھنے سے آنکھیں نہ چندھیائیں۔ یہی اصح قول ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے ردالمحتار میں تغیر شمس کی علامت کے متعلق مختلف اقوال نقل فرمائے انہی میں سے ظہیریہ کے حوالے سے ایک قول یہ نقل کیا کہ جب سورج کی طرف (نگاہ اٹھا کر) طویل وقت کے لیے دیکھا جاسکتا ہے تو یہ اس کا تغیر یعنی تبدیل ہونا ہی ہے۔ اور اسی پر فتوی ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ اس کے تحت جد الممتار میں لکھتے ہیں: تغیرِ شمس کی علامت تو یہ

1... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص32)

2... (بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الجمعۃ، باب: اذا اشتد الحر یوم الجمعۃ، الرقم 864)

3... (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص24)

Go To Index

ہے کہ اس کی طرف نظر کرنا ممکن ہو، تو پھر طلوع میں علامت یہ ہے کہ جب اس کی طرف نظر جما کر دیکھنا ممکن نہ ہو تو سورج طلوع سے نکل جاتا ہے۔ پھر سورج کے تین احوال بیان فرمائے۔

پہلی حالت یہ ہے کہ سورج بالکل بداہۃً ظاہر ہو کہ پہلی نظر دیکھنے میں آدمی اور سورج کے درمیان شعاعیں رکاوٹ نہ بنیں، اور سورج کی ٹکیا کے، اور اس کی مکمل گولائی اور مقدار کے واضح ہونے میں گہری نظر سے دیکھنے کی ضرورت نہ پڑے، جیسا کہ چودہویں رات کے چاند کی طرف دیکھنے میں حالت ہوتی ہے کہ جب آپ اس کی طرف دیکھتے ہیں تو اس کی ٹکیا، اس کی مقدار، اس کا مٹنا (گھٹنا، بڑھنا) اور اس کے داغ بغیر تکلف کے ظاہر ہو جاتے ہیں، اس حالت میں دیر تک دیکھنا بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ پہلی بار دیکھنا، یعنی دیر تک دیکھنے سے نظر میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں آتی جو پہلی نظر میں نہ رہی ہو۔

دوسری حالت یہ ہے کہ جب آپ سورج کی طرف دیکھیں تو پہلی نظر میں شعاعیں آنکھوں میں لگیں، ان کی وجہ سے سورج کی ٹکیا اور اس کی مقدار واضح نہ ہو، اور آپ کو یہ احساس ہو کہ اگر اس کے اندر چاند کی طرح سیاہ داغ ہوتا تو وہ بھی پہلی نظر میں ظاہر نہ ہوتا، لہذا آپ کو نظر جما کر رکھنے اور غور سے دیکھنے کی طرف حاجت پڑے گی اگرچہ ایک لمحہ کے لیے، پس (نظر جمانے کے بعد) یہ رکاوٹیں تم سے دور ہو جائیں گی اور سورج واضح ہو جائے گا، پھر تم اس کی طرف جتنی دیر مرضی دیکھتے رہو کوئی مانع نظر کو سورج سے نہیں ہٹائے گا، مگر یہ کہ سورج کی روشنی تیز ہو جائے زیادہ دیر ٹھہرنے کی وجہ سے اور ایسی حالت ہو جائے کہ دیکھا نہ جا سکے تو اس کو پہلی حالت کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس کا سبب اب پیدا ہوا ہے، حاصل یہ کہ اس حالت میں

Go To Index

سورج، چاند کے مباین ہو گا، کہ ابتداءً نظر لوٹے گی ہاں انتہاءً ایسانہ ہو گا۔

تیسری حالت یہ ہے کہ سورج کو دیکھنا شروع سے لے کر آخر تک ناممکن ہو جائے۔ نہ تو وہ شروع میں صاف نظر آئے اور نہ ہی غور سے دیکھنے پر نظر وہاں ٹھہر سکے۔ اگر آپ زبردستی نظر جمانے کی کوشش بھی کریں تو تیز شعاعیں نظر کو پلٹا دیں۔ آپ جتنا زیادہ اس کو دیکھنے کی کوشش کریں گے سورج کی شعاعیں اتنا زیادہ ہی آپ کو روکیں گی۔

پس اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جب تک سورج پہلے والی حالت میں رہے گا تو وہ وقت طلوع ہی ہے۔ اور تیسری حالت تک اس وقت پہنچتا ہے کہ جب وہ کئی رمح کی مقدار فاصلہ طے کر چکا ہو بالخصوص کہ جب سورج جنوب کی طرف جھکنے لگ جائے، اور حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ (ایک رمح یا دو رمح کی مقدار) تو ظاہر ہے اس سے مراد حالت وسطی ہے کہ جس کے بارے میں فقہاء نے فرمایا کہ: اس کی طرف دیکھنے سے آنکھیں نہ چندھیائیں، جیسا کہ در مختار، ہدایہ، وغیرہ دیگر کتب فقہ جو کہ معتمدات میں تعبیر ہے۔ پس جب تو سورج کی طرف نظر کرے گا تو پہلی بار دیکھنے میں سورج واضح نہ ہو گا، آنکھیں چندھیائیں گی، اور یہ چندھیانہ غور سے دیکھنے کے بعد ختم ہو گا، اور طویل عمر کا تجربہ اس پر شاہد ہے کہ یہ حالت اس وقت ہوتی ہے کہ جب سورج ایک نیزے یا دو نیزوں کی مقدار بلند ہو جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب یہ بات متحقق ہو گئی تو ظہیریہ کے اس قول (کہ اس کی طرف نظر جمانا ممکن ہو) اس کو پہلی حالت پر محمول کیا جائے گا، پس آنکھوں کے نہ چندھیانے اور پریشانی کے نہ ہونے میں حالت بقاء حالتِ ابتداء کی طرح ہے، نہ کہ یہ مراد ہو کہ پہلی دفعہ دیکھنے سے آنکھ

Go To Index

چندھیائے اور مشقت ہو، پھر غور سے دیکھنے کے بعد نظر ٹھہر سکے، یہ وہ بات ہے جو مجھ پر ظاہر ہوئی، اور اللہ تعالٰی حقیقت حال کو زیادہ جاننے والا ہے۔

غرض: مزید افادے کا بیان۔

عربی عبارات

در مختار: "(و) تأخير (عصر) صيفا وشتاء توسعة للنوافل (ما لم يتغير ذكاء) بأن لا تحار العين فيها في الأصح." [1]

رد المحتار: "صححه في الهداية وغيرها. وفي الظهيرية إن أمكنه إطالة النظر فقد تغيرت وعليه الفتوى." [2]

جد الممتار: "قوله: إن أمكنه إطالة النظر: أي: وفي الطّلوع إذا لَم يُمكنه إطالة النظر فقد خرجت من الطلوع. أقول وبالله التوفيق: للشّمس ثلاثة أحوال:

الأوّل: أن تستبينها بديهة لا يحول بينك وبينها في أوّل نظرةٍ أشعةٌ، ولا تحتاج في تبيّن قرصها واستدارته التامّة ومقداره إلى إمعانٍ كحالك حين نظرك إلى البدر؛ فإنّك تراه فيستبين لك قرصه وقدره ومحوه وصورة محوه من دون حاجة إلى تكلّف، ويكون البقاء كالابتداء، أي: لا يحدث بإطالة النظر شيء غير ما كان في أوّل النظر.

والثاني: أن تنظر إليها ففي أوّل نظرةٍ تستقبلك أشعّة لا يتبيّن لك معها قرصها وقدرها، وتعلم من نفسك أن لو كان فيها محو كمحو القمر لَم يظهر لك أوّل وهلة، فتحتاج

---

1 ... (حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص32)

2 ... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص32)

Go To Index

إلى أن تقرّ النظر وتمعن ولو هنيهة، فتزول تلك الحائلات وتستبين، ثُمّ تطيل النظر ما شئت فلا يردّك عنها مانع إلاّ أن تزيد الشّمس نوراً بطول المكث فتحدث حالة لَم تكن، وهذه لا تستند إلى الأوّل؛ لأنّ سببها حدث الآن، وبالجملة فهي تباين البدر وتردّ البصر ابتداءً لا بقاءً.

والثالث: أن يصير البقاء كالابتداء في الردّ والصدّ فلا تستبين بدءاً وإذا أمعنت لَم يستقرّ النظر، وإن استقرّ شيئاً أتَت أشعّة فردّته، فكلّما أمعنت منعت، ولا شكّ أنّها ما دامت في الحالة الأولى فهي في الطّلوع، وأمّا الثالثة فلا تكون إلاّ بعد ما ترتفع رماحاً كثيرة لا سيّما إذا وغلت نائيةً عنك في الجنوب، ورسول الله صلّى الله تعالى عليه وسلّم يقول: ((قيس رُمْحٍ أو رُمْحَين))[1] فالذي يظهر أنّ المراد هي الحالة الوسطى وهو قضية قولهم: (لا تحار العين فيها) كما هو تعبير هذا الشرح و"الهداية" وغيرهما من المعتمدات؛ فإنّك إذا نظرت إليها فلم تستبنها أوّل وهلةٍ، فقد حارت العين وأن تزل الحيرة بعد الإمعان والتَّجربة المتطاولة شاهدة بأنّ هذه الحالة تحدث لها عند ارتفاعها رمحاً أو رمحين كما قال رسول الله صلّى الله تعالى عليه وسلّم، إذا تحقّق هذا وجب حمل قول "الظهيرية": (أمكنه إطالة النظر) على إمكانه على نسق واحد، فيكون البقاء كالابتداء في عدم الحيرة والكلال لا على إمكان الإطالة بعد أن حار وكَلّ، ثُمّ استقرّ بعد الإمكان، هذا ما ظهر لي، فتأمّل، والله تعالى أعلم بحقيقة الحال."[2]

مقولہ نمبر(780):سورج کے متغیر ہونے کی علامات:

صاحب در مختار نے بیان کیا کہ عصر کو سردی گرمی دونوں موسموں میں تاخیر سے ہی

1...(ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب: من رخص فیھما اذا کانت الشمس مرتفعۃ، الرقم 1377)

2...(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص24 تا26)

Go To Index

پڑھا جائے گا تاکہ نوافل پڑھنے والوں کے لیے زیادہ ٹائم مل سکے ،ہاں اتنی تاخیر نہ کی جائے کہ سورج کا رنگ ہی متغیر ہو جائے ،اور اصح قول کے مطابق اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کی طرف دیکھنے سے آنکھیں نہ چندھیائیں۔

اس کے تحت علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے سورج کے متغیر ہونے کے حوالے سے مختلف اقوال بیان فرمائے۔

ظہیریہ کے حوالے سے نقل فرمایا: کہ جب سورج کو طویل وقت کے لیے نظر جما کر دیکھنا ممکن ہو تو یہ اس کے متغیر ہونے کی علامت ہے ،اسی طرح **ایک قول (قیل) کے ذریعے سے یہ بیان فرمایا کہ: تغیر کی حد یہ ہے کہ غروب ہونے میں ایک نیزے سے کم فاصلہ باقی ہو۔**

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ علامہ شامی کے بیان کردہ دوسرے قول کہ جس میں "اقلُ مِن رُمح "یعنی ایک نیزے سے کم کا تذکرہ ہے ،اس کے بارے میں فرماتے ہیں: کہ یہ قول اس قول کے موافق ہے کہ جو عید کے بیان میں آئے گا۔اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس تیسرے قول کو پہلے قول (یعنی: اس کی طرف دیکھنے سے آنکھیں نہ چندھیائیں) کی تحدید (حدبندی بیان کرنے والا) قرار دیا جائے یعنی آنکھیں نا چندھیانا تب ہوتا ہے جب ایک نیزے سے کم فاصلہ غروب ہونے میں رہ جاتا ہے۔

غرض: موافق قول کا بیان۔

عربی عبارات

در مختار:"(و) تأخير (عصر) صيفا وشتاء توسعة للنوافل (ما لم يتغير ذكاء) بأن

Go To Index

لاتحاد العین فیہا فی الأصح."[1]

ردالمحتار: "وفي الظهيرية إن أمكنه إطالة النظر فقد تغيرت وعليه الفتوى وقيل حد التغير أن يبقى للغروب أقل من رمح، وقيل أن يتغير الشعاع على الحيطان كما في الجوهرة ابن عبدالرزاق."[2]

جد الممتار: قوله: "أقلّ من رمح: أقول: هذا القيل هو الموافق لما يأتي في العيد، ولعلّ جعلَه تحديداً للأوّل غير بعيد."[3]

مقولہ نمبر (781): عشاء کی نماز کے بعد بات چیت میں مشغول ہونا:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے علامہ زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قول ذکر فرمایا کہ: عشاء کی نماز کے بعد بات چیت میں مشغول ہونا مکروہ ہے، کیونکہ بسا اوقات یہ چیز لغویات کی طرف لے جاتی ہے، یا پھر صبح کی نماز کے فوت ہونے کا سبب بن سکتی ہے، البتہ اگر بات چیت کرنے کی اہم حاجت ہو تو حرج بھی نہیں۔

علامہ شامی، ان کا یہ قول نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ علامہ زیلعی کے کلام سے یہ بات ماخوذ ہوتی ہے کہ اگر حاجت کی وجہ سے عشاء کی نماز کے بعد بات چیت کی جائے تو یہ مکروہ نہیں، اگرچہ صبح کی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو، کیونکہ اگر کسی کی نماز سوتے ہوئے رہ جانے کی وجہ سے چھوٹتی ہے تو یہ کوتاہی نہیں ہے، کوتاہی اس وقت کہلائے گی کہ کوئی جاگتے

1...(حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص32)

2...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص32)

3...(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص26)

Go To Index

ہوئے نماز کا وقت گزار دے۔ جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث مبارک میں مذکور ہے۔ہاں اگر کسی کو ظن غالب ہو کہ رات کو بات چیت کرنے کی وجہ سے نماز فجر فوت ہو جائے گی تو پھر جاگنا جائز نہیں کیونکہ یہ کوتاہی ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس حدیث مبارک کی تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ "جامع صغیر" میں اسے احمد اور ابن حبان کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت لی ہے۔اور "جامع صغیر" کے شارح علیہ الرحمۃ نے فرمایا :حضرت ابو قتادہ سے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ صاحبِ مشکوۃ نے اس حدیث مبارک کو فصل اول کے آخر میں ،باب تعجیل الصلاۃ میں ذکر کیا ہے،پھر فرمایا کہ :اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

غرض:ایک حدیث کی تخریج۔

عربی عبارات

ردالمحتار: "وقال الزيلعي: وإنما كره الحديث بعده؛ لأنه ربما يؤدي إلى اللغو أو إلى تفويت الصبح أو قيام الليل لمن له عادة به، وإذا كان لحاجة مهمة فلا بأس--- ويؤخذ من كلام الزيلعي أنه لو كان لحاجة لا يكره وإن خشي فوت الصبح؛ لأنه ليس في النوم تفريط وإنما التفريط على من أخرج الصلاة عن وقتها كما في حديث مسلم، نعم لو غلب على ظنه تفويت الصبح لا يحل؛ لأنه يكون تفريطا تأمل. ملخصا."[1]

---

1 ...۔ (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص33)

Go To Index

جد الممتار: "قوله: کمافي حدیث مسلم[1]: أقول: عزاه في الجامع الصغیر لأحمدَ وابنِ حِبّان عن أبي قتادة، قال شارحه: (ورواه عنه أبو داؤد وغیره) اهـ. وقد أورده في المشکاة باب تعجیل الصّلاۃ، آخر الفصل الأوّل، فقال: (رواه مسلم) اهـ. فسبحانَ مَنْ لا ینْسَی."[2]

مقولہ نمبر:(782): نمازوں کے مکروہ اوقات:

صاحب تنویر الابصار نے بیان کیا کہ: عشاء کی نماز کو آدھی رات سے مؤخر کرنا، اور عصر کو سورج کے زرد ہونے تک مؤخر کرنا، اور مغرب کو اتنا مؤخر کرنا کہ ستارے گتھ آئیں، مکروہ تحریمی ہے۔ صاحب در مختار فرماتے ہیں کہ اتنی تاخیر مکروہ ہے لیکن نماز مکروہ نہیں ہوگی۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ: اس بارے میں کلام ہے جو آگے آئے گا۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے اس مقام کی تعیین فرما دی کہ: یہ کلام کہاں آئے گا؟ (درمختار جلد ۲، صفحہ ۴۰، تحت قول الدر "فلا یکرہ فعله") اور پھر اس کی توضیح و تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: یہ کلام نمازِ عصر کے ساتھ ہی مختص ہے، کیونکہ حدیث مبارک میں اسی کو مؤخر کرنے کی مذمت آئی ہے، اور اسے ہی منافق کی نماز کہا گیا ہے۔

اور عشاء کے اندر کراہت جماعت میں کمی ہونے کی وجہ سے ہے، لیکن یہ کراہت نفسِ نماز میں اثر انداز نہیں ہوگی جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ اور یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ ہمارے زمانے کے جن فضلاء نے آدھی رات کے بعد پڑھی گئی عشاء کی نماز کے اعادے کا قول کیا

1...(مسلم، مسلم بن الحجاج قشیری، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ، الرقم 311)

2...(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص26 تا28)

Go To Index

ہے وہ اس بناء پر کیا ہے کہ ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو اس کا اعادہ واجب ہے۔اور فرمایا کہ فجر سے پہلے اس کا اعادہ کرنا مفید نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی پہلے کی مثل ہی قرار پائے گی کہ پہلی بھی نصف لیل کے بعد ادا کی گئی اور جس کا اعادہ کیا وہ بھی نصف لیل کے بعد ہی کیا، لہذا اس کا اعادہ فجر کے بعد ہی کرنا ہو گا۔ان کی یہ بات بلکل بے بنیاد اور فضول ہے۔**پہلی وجہ:** نماز کو واجب الاعادہ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ کراہت نماز کے اندر نہیں ہے، بلکہ کراہت تو تاخیر کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ جس میں کمی کو پورا کرنا ممکن نہیں۔

دوسری وجہ: نماز کا اعادہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ پہلی نماز کے اندر جو خلل یا کمی رہ گئی تھی اس کو پورا کیا جائے یا اس کمی کو دور کیا جائے، اور یہ بات یہاں ممکن نہیں کیونکہ اعادے کی وجہ سے قلیل جماعت کثیر تو نہیں ہو جائے گی۔

تیسری وجہ: فقہائے کرام اس بات کی صراحت فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اکیلے نصف لیل کے بعد نماز عشاء ادا کی تو اس پر اس نماز کا اعادہ نہیں ہے، تو یہاں تو ترک جماعت کے باوجود اعادے کا حکم نہیں دیا گیا تو تقلیل جماعت کی وجہ سے اعادے کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے۔

غرض: **محولہ مقام کی نشاندہی، اور شارح کے کلام کا محمل۔**

عربی عبارات

تنویر الابصار: "فإن أخرها إلى ما زاد على النصف، (و) أخر (العصر إلى اصفرار ذكاء) (و) أخر (المغرب إلى اشتباك النجوم) أي كثرتها (كره) أي التأخير لا الفعل لأنه مأمور به

Go To Index

(تحريما)."[1]

جد الممتار: قوله: "فيه كلام يأتي: أي: صـ 386 وهو كلام مختصّ بالعصر لورود ذمّه في الحديث وتسميته صلاة المنافق، أمّا العشاء فالكراهة لتقليل الجماعة لا تؤثر في نفس الأداء كما لا يخفى، ومن هاهنا ظهر أنّ ما أفتى به بعض فضلاء العصر من إعادة عشاء صلّيت بعد نصف الليل بناءً على أنّها صلاة أدّيت مع الكراهة، وما هذا شأنه فسبيله الإعادة، قال: ولا يفيد الإعادة قبل الفجر؛ لأنّ المعادة مثل الأولى في الوقوع بعد نِصْف الليل فلتُعد بعد الفجر، وهذا كما ترى كلام مغسول، أمّا أوّلاً: فلأنّه لا كراهة في الصّلاة حتّى تعاد، وإنّما الكراهة فيما ارتكب من التأخير وهو أمر قد قضى لا يمكن جبره، وأمّا ثانياً: فلأنّ الإعادة إنّما يكون للأداء منزّهاً عن خللٍ في الأولى وهو هاهنا لا يمكن؛ إذ لا يصير تقليل الجماعة بإعادته تكثيراً، وأمّا ثالثاً: فلأنّه صرّحوا أنّ مَن صلّى منفرداً لا إعادةَ عليه، فإذا لَم تُعد مع ترك الجماعة كيف تعاد لتقليلها."[2]

مقولہ نمبر (783): مغرب کا مستحب وقت:

علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمۃ نے بیان کیا کہ مغرب کی نماز میں تعجیل کرنا مستحب ہے، اور اذان و اقامت کے درمیان دو رکعت کی مقدار وقفہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ صفحہ نمبر 705 پر آگے چل کر شارح (علامہ

1...(تمرتاشی، محمد بن عبد اللہ، تنویر الابصار، ج2، ص32تا34)

2...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص29،28)

Go To Index

علاؤالدین حصکفی) نے یہ بات نقل کی ہے کہ: علامہ کمال الدین نے دو خفیف رکعتوں کو اس کے درمیان مباح قرار دیا ہے، اور اسی کو صاحب بحر اور مصنف علیہ الرحمۃ نے برقرار رکھا ہے۔

غرض: مزید افادے کا بیان۔

عربی عبارات

درمختار:"والمستحب تعجيل (مغرب مطلقا) وتأخيره قدر ركعتين يكره تنزيها."[1]

جدالممتار: قال:"أي: الدّر: يكره تنزيهاً: سيأتي للشارح صـ705:أنّ الكمال حرّر إباحة ركعتين خفيفتين، وأقرّه "البحر" والمصنّف."[2]

مقولہ نمبر:(785) طلوع شمس کی پہچان کیسے ہو؟

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے امام محمد کی اصل کے حوالے سے ایک جزئیہ نقل کیا کہ جب تک سورج ایک نیزہ کی مقدار بلند نہ ہو جائے تو اس وقت تک وہ طلوع کے ہی حکم میں ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ شامی کے باب العید میں قدر رمح کی تعیین کی گئی ہے کہ وہ 12 بالشت کی مقدار بنتا ہے، لہٰذا یہ چھ ذراع ہوا اور ہندوستان میں جو ذراع رائج ہیں ان کے مطابق تین ذراع بنتا ہے۔

غرض: مجمل کی تفصیل۔

1...(حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، درمختار، ج2، ص35)

2...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص29)

Go To Index

عربی عبارات

ردالمحتار: ”عن الأصل للإمام محمد من أنه ما لم ترتفع الشمس قدر رمح فهي في حکم الطلوع.“[1]

جد الممتار: ”قوله: ما لَم ترتفع الشمس قدر رمح فهي في حکم الطلوع: ويأتي في العيد: (أنّه قدر اثني عشر شِبْراً)، فيکون ستّة ذراع وبالذراع الرائج في "الهند" ثلاثاً.“[2]

مقولہ نمبر (786): طلوعِ شمس کی مقدار کے متعلق راجح قول کا بیان:

صاحب تنویر الابصار نے بیان کیا کہ تین اوقات (شروق، استواء، غروب) میں نماز پڑھنا مکروہ ہے چاہے وہ نفل نماز ہو، یا واجب، یا قضاء نماز ہو۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے ردالمحتار میں شروق یعنی طلوع شمس کے وقت کی مقدار کے متعلق مختلف اقوال نقل فرمائے جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ: جب سورج نکلنے کے بعد سے لے کر جب تک اس کی طرف دیکھنے سے آنکھیں چندھیانے نہ لگ جائیں تو یہ طلوع ہی کے حکم میں ہے۔ پھر فرمایا کہ امام محمد علیہ الرحمۃ کا اس کے متعلق جو قول ہے (یعنی جب تک سورج ایک نیزہ کی مقدار بلند نہ ہو تو وہ طلوعِ شمس کے حکم ہے) وہ زیادہ اصح ہے کیونکہ اسی پر اصحاب متون چلے ہیں اور معتمد کتب میں اسے اپنایا گیا۔

اعلیٰ حضرت اس قول (اصحاب متون نے اسے اختیار کیا ہے) کے تحت فرماتے ہیں کہ:
یہ قول اصح اس وجہ سے بھی ہے کہ حدیث مبارک میں بھی اسی قول کے موافق بات بیان کی گئی

1... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص38)
2... (اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص30)

Go To Index

ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرو بن عنبسہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس رات میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کے آخری پہر میں، تو اس میں جتنی چاہے نماز پڑھ، کیونکہ اس وقت کی نماز مشہود و مکتوب ہے حتی کہ تم فجر کی نماز پڑھو، پھر نماز پڑھنے سے باز رہو حتی کہ سورج طلوع ہو جائے **،اور ایک نیزہ یا دو نیزے کی مقدار بلند ہو جائے۔**" اس حدیث مبارک کو ابو داؤد، طبرانی، اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو حضرت عمرو بن عنبسہ سے صحیح قرار دیا ہے، امام طبرانی نے کبیر میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو بیان کیا، نیز امام احمد و طبرانی نے مرہ بن کعب بہزی رضی اللہ عنہم سے بھی اس کو روایت کیا۔ اور امام ابن امیر الحاج نے حلبہ میں صفحہ 231 میں ذکر کیا کہ: حدیث مبارک میں "قیس رمح او رمحین" میں لفظ "او" شک کے لیے ہے یا اضراب (تاکید) کے لیے ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان "او یزیدون" ہے، اور دونوں صورتوں میں نماز جائز نہیں یہاں تک کہ سورج دو نیزے کی مقدار بلند ہو جائے، یا پھر "او" اباحت کے لیے ہے تو اس معنی کو مراد لینے کی صورت میں جب سورج ایک نیزے کی مقدار بلند ہو جائے، تو اس وقت بھی نماز پڑھنا جائز ہے، اور دو نیزوں کا ذکر فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ احسن طریقہ یہ ہے کہ دو نیزوں کی مقدار سورج کے بلند ہونے تک تاخیر کی جائے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: اقول (میں کہتا ہوں) متون کا ایک نیزے کی مقدار کے ذکر پر متفق ہونا یہ آخری تفسیر (کہ او اباحت کیلئے ہے) کو معین کرتا ہے، پھر یہ قول اول کے مخالف نہیں ہے بلکہ اس کی حد بندی کا بیان ہے، اور یہ اس طرح کہ میں نے کئی سالوں

Go To Index

سے اس چیز کا تجربہ کیا ہے اور یہ پایا کہ سورج کی طرف دیکھنے سے آنکھیں تب نہیں چندھیاتی کہ جب وہ ایک نیزے کی مقدار بلند ہو جائے پھر یہی ضابطہ ٹھہرا۔ بہر حال آنکھ کا چندھیانہ اور لمبی نظر تک دیکھتے رہنا، یہ سردی گرمی کے موسموں کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے، اسی طرح فضاء کی کثافت و صفائی کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتا ہے، اور نظر کی تیزی اور مشقت کے اعتبار سے بھی، پس جس چیز سے عدول مناسب نہیں وہ یہی قول ہے۔

پھر میں کہتا ہوں: فقہائے کرام نے ایک رمح کا اندازہ 12 بالشت سے لگایا ہے جیسا کہ عنقریب عید کے باب میں آئے گا، اور بطلیموس وغیرہ نے کسوف و خسوف کے متعلق ذکر کیا: کہ سورج اور چاند کا قطر دیکھنے میں ایک بالشت کی مقدار ہوتا ہے، اسی وجہ سے فقہائے کرام نے ان دونوں کا اندازہ بارہ انگل کا لگایا ہے۔

اور اس کی تائید علامہ طوسی علیہ الرحمۃ کے اس قول سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب "اسطرلاب" میں باب نمبر 20 میں بیان کیا: جب وہ (لوگ) دیکھتے ہیں کہ ثریا ستارہ طلوع کر رہا ہے، تو اس وقت ایک روشن اور سرخ رنگ کا ستارہ شمال کی جانب اس کے ساتھ طلوع کرتا ہے، یہاں تک کہ دونوں کے درمیان دو نیزے کے برابر فاصلہ ہوتا ہے۔ اسے "عیوق" کہتے ہیں۔

پھر فرمایا: پروین (ثریا) ایک نیزے کے برابر بلندی پر طلوع کرتا ہے تو ایک روشن اور سرخ ستارہ اس کے پیچھے ظاہر ہوتا ہے، اسے "عین الثور" کہا جاتا ہے۔

علامہ عبد العلی برجندی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: جان لو کہ "مقدار ایک نیزہ" جو مصنف نے بیان کیا ہے، تقریباً چھ ذراع کے برابر ہے۔ اس کے بعد، ثریا کے مرکز

Go To Index

اور اس کے درمیان فاصلہ تقریباً چودہ درجے اور ایک چوتھائی ہے، اور اس کے اور عیوق کے درمیان فاصلہ اٹھائیس درجے اور نصف ہے۔ بصری مشاہدے میں ہر دو درجے اور ایک تہائی، ایک ذراع کے برابر ہوتے ہیں، جیسا کہ صوفی نے اپنی کتاب "صور کواکب" میں کہا ہے۔ اور جہاں کہیں بھی اس موضوع میں لفظ "نیزہ" ذکر ہو، مراد اس سے چھ ذراع ہے۔

پس اس تقدیر پر کہ جو ہم نے بیان کیا کہ ایک نیزے تک کی بلندی چھ درجے اور چوبیس دقیقے ہے، لیکن علامہ برجندی نے جو اپنے کلام کے اثناء میں یہ کلام کیا کہ: بصری مشاہدے میں ہر دو درجے اور ایک تہائی، ایک ذراع کے برابر ہوتے ہیں، جیسا کہ صوفی نے اپنی کتاب "صور کواکب" میں کہا ہے" تو اس تقدیر پر ایک رمح کی بلندی چودہ درجے ہے پس اس میں غور و فکر کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غرض: مسئلہ کی تائید مزید دلائل کے ساتھ۔

عربی عبارات

ردالمحتار: "عن الأصل للإمام محمد من أنه مالم ترتفع الشمس قدر رمح فهي في حكم الطلوع؛ **لأن أصحاب المتون مشوا عليه** في صلاة العيد حيث جعلوا أول أوقاتها من الارتفاع ولذا جزم به هنا في الفيض ونور الإيضاح."[1]

جد الممتار: قوله: لأنّ أصحاب المتون مشَوا عليه في صلاة العيد: ولأنّه منطوق الحديث عن عمرو بن عنبسة السلمي رضي الله تعالى عنه قال: (قلت لرسول الله صلّى الله

---

1 ... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص38)

Go To Index

تعالى عليه وسلّم: أيّ الليل أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر فصلِّ ما شئت، فإنّ الصّلاة مشهودة مكتوبة حتّى تصلّي الفجر، ثُمّ اقتصر حتّى تطلع الشّمس، وترتفع قيس رُمْح أو رُمْحين)[1] الحديث رواه أبوداؤد والطّبراني والحاكم وصحّحه عنه، والطّبراني في "الكبير" عن عبد الرحمن بن عَوْف، ونحوه أحمد والطّبراني عن مُرّة بن كَعْب البَهْزِيّ رضي الله تعالى عنهم، وذكر الإمام ابن أمير الحاج في "الحلبة" صـ231: (إنّ "أو" للشكّ من الراوي أو للإضراب كقوله تعالى: ﴿أَوْ يَزِيدُونَ﴾[2] (الصافات: 147) وعليهما لا تحلّ الصّلاة حتّى ترتفع قدر رمحين، أو للإباحة فتحلّ حين ترتفع رمحاً، وإنّما ذكر "رمحان" إشارةً إلى أنّ الأحسن التأخير إلى هنا) اهـ بمعناه. أقول: وإطباق المتون على ذكر رمحٍ يعيّن التفسير الأخير، ثُمّ هو لا يخالف الأوّل بل يبيّن حدّه، وذلك أنّ العبد الضَّعيف قد جرّب منذ سنين فوجدها لا تحار العين فيها إلاّ إذا ارتفعت قدرَ رمحٍ ثُمّ هذا هو الضابط، أمّا حيرة العين وإمكان إطالة النظر فيختلف باختلاف الموسم صَيْفاً وشِتَاءً، واختلاف الهواء كثافةً وصفاءً، واختلاف النظر حِدّةً وكلالاً، فالذي لا ينبغي العدول عنه هو هذا. ثُمّ أقول: إنّهم قدّروا الرمح باثني عشر شِبْراً كما يأتي في العيد، وقد ذكر بِطْلِيْمُوس وغيره في الكسوف والخسوف: أنّ قطر الشّمس والقمر في الأبصار قدر شبر، ولذا قدّروهما باثنتي عشرة أصابع، ثُمّ من المعلوم أنّهما نحو نصف درجة ودقيقتين، فتكون قدر ذراع درجة وأربع دقائق، ويؤيّده أنّ الطّوسي في الباب العشرين من كتابه في

---

1 ... (ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب: من رخص فیحما اذا کانت الشمس مرتفعۃ، الرقم 1377)
2 ... (سورۃ الصفت 147:37)

Go To Index

"الأَسطُرلاب" أكثر من تقدير البعد بين كوكبين بالرّمح فقال: (چون نگاه كنند درانوقت كه ثريا طلوع كند كوكبي روشن وسرخ رنگ از جانب شمال با او طلوع كند چنانكه ميان هر دو مقدار دو نيزه بالا بود آنرا عيوق خوانند)، وقال: (چوپروين مقدار يک نيزه بالا طلوع كند كوكبي روشن وسرخ برآيد درپس او آنرا عين الثور خوانند إلى غير ذلک، فقال العلاّمة عبد العليّ البِرْجَنْدِي في "شرحه": (بدانكه مقدار يک نيزه برين تقدير كه مصنف فرموده است شش ذراع بود تقريباً چه بعد ميان وسط ثريا ودبران چهارده درجه وربعي ست وميان أوو عيوق بيست وهشت درجه ونيم، مقدار هر دو درجه و ثلثي در رأي العين يک ذراع بود چنانكه ابن صوفي در كتاب "صور كواكب" گفته است وهرجا كه درين باب لفظ نيزه مذكور شود مراد هما شش ذراع باشد) اهـ فعلى ما بيّنّا يكون ارتفاع رمح ستّ درجٍ وأربعاً وعشرين دقائق، لكن الذي قال البِرْجَندي في أثناء كلامه المذكور: مقدار هردو درجه و ثلثي در رأي العينيک ذراع بود چنانكه ابن صوف دركتاب "صور كواكب" گفته است،يكون عليه ارتفاع رمح أربع عشر درجة، فليتأمّل، والله تعالى أعلم. وفي "القانون المسعودي": طول الدبران اله م. عرضه الجنوبي ے أشمل الضلع المقدم من الثرياى- ل اجنبهما ا- ء طرف الثريا التالي عند أضيق موضع فيها عرضها جميعاً شمالي ءمه الخارج نحو الشمال منها م- ه ها الصغير المقارب الضلع المتقدم اه- ء طرف الثريا الجنوبي عند الموضع الأضيق ها.[1]

1 ... (اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص30 تا 35)

Go To Index

مکروہ اوقات میں نماز پڑھنے کا حکم

مقولہ نمبر (787): عوام کو مکروہ اوقات میں نماز پڑھنے سے نہ روکا جائے:

صاحب در مختار نے اوقات مکروہہ کو بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر عوام ان اوقات میں نماز پڑھے تو ان کو اس سے منع نہیں کیا جائے گا، کیونکہ منع کرنے سے بعد میں وہ نماز پڑھیں گے ہی نہیں، لہذا چونکہ بعض لوگوں کے نزدیک ان اوقات میں نماز جائز ہے تو اس وجہ سے بالکلیہ نماز کو ترک کرنے سے اس قول پر عمل کرنا افضل ہے۔ جیسا کہ "قنیہ" وغیرہ میں مذکور ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے "فتاوی رضویہ" میں اس طرح کے کئی مسائل بیان فرمائے ہیں کہ جن کا کرنا ممنوع ہے مگر عوام کو اس سے منع نہ کیا جائے گا کہ کہیں انکی نیکیوں کی رغبت کم نہ ہو جائے جیسا کہ آپ نے مختلف کتب فقہ سے نقل کرتے ہوئے یہ مسئلہ بیان فرمایا: اور ردالمحتار میں بحر سے، اس میں مجتبٰی سے، اس میں امام فقیہ ابو جعفر سے عشرہ ذی الحجہ میں بازاروں کے اندر تکبیر کہنے کے مسئلہ میں نقل ہے کہ میرے نزدیک یہ ہے کہ عوام کو اس سے نہ روکا جائے کہ اس کی وجہ سے نیکیوں میں ان کی رغبت کم ہو جائے گی، اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔ حدیقہ میں ہے: اسی قبیل سے جماعت کے ساتھ صلوٰۃ الرغائب اور نماز شب قدر اور اس جیسے افعال سے نہی کا معاملہ ہے کہ اگرچہ علماء نے جماعت کے ساتھ یہ نماز مکروہ ہونے کی صراحت فرمائی ہے مگر عوام کو اس کا فتویٰ نہ دیا جائے گا کہ نیکیوں میں ان کی رغبت کم نہ ہو جائے۔ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔

غرض: شارح کی تائید۔

Go To Index

عربی عبارات

در مختار:"(وكره) تحريما، وكل مالا يجوز مكروه (صلاة) مطلقا (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلا أو (على جنازة وسجدة تلاوة وسهو) لا شكر قنية (مع شروق) إلا العوام فلا يمنعون من فعلها؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك كما في القنية وغيرها۔"(1)

فتاوی رضویہ:"قال: أي: "الدرّ": كمافي "القنية" وغيرها:

(قال الإمام أحمد رضا رحمه الله في "الفتاوى الرضوية)قلت: ونقله سيدي عبد الغنيّ في "الحديقة" عن "شرح الدرر" لأبيه عن "المصفّى" شرح "النسفية" عن الشيخ الإمام الأستاذ حميد الدين عن شيخه الإمام الأجلّ الزاهد جمال الدين المحبوبي، وأيضاً عن شمس الأئمّة الحلواني وعن "القنية" عن النسفي والحلواني وأيضاً في "ردّ المحتار" عن "البحر" عن "المجتبى" عن الإمام الفقيه أبي جعفر في مسألة التكبير في الأسواق في الأيّام العشر: (**الذي عندي أنّه لا ينبغي أن تُمنع العامّة عنه لقلّة رغبتهم في الخير، وبه نأخذ**) اهـ. وفي "الحديقة الندية": (**ومن هذا القبيل نهي الناس عن صلاة الرغائب بالجماعة وصلاة ليلة القدر ونحو ذلك وإن صرّح العلماء بالكراهة بالجماعة فيها فلا يفتى بذلك العوام لئلاّ تقلّ رغبتهم في الخيرات**)" والله تعالى أعلم(2)

مقولہ نمبر (788): علامہ رکن الدین صباغی کا رمز:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے رکن الدین الصباغی کا نام ذکر فرمایا تو اعلی حضرت علیہ الرحمۃ

1...۔ (حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص37،38)

2...۔ (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، فتاوی رضویہ، لاہور، رضا فاونڈیشن، 1994ء، ج9، ص147،148)

Go To Index

نے ان کے رمز (مخفف) کی طرف اشارہ فرمادیا کہ جب عبارات میں "کص" آئے تو اس سے مراد علامہ رکن الدین الصباغی علیہ الرحمۃ ہی ہوں گے۔

غرض: رمز کی طرف اشارہ۔

عربی عبارات

ردالمحتار: "قال رکن الدین الصباغی."

جدالممتار: قولہ: "رکن الدین الصباغی: کص."

مقولہ نمبر (789): زوال کا مکروہ وقت کب سے کب تک ہے؟

علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں زوال کے وقت جو مکروہ وقت آتا ہے اس کے متعلق اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ نصف النہار (شرعی) سے لے کر زوال شمس تک ہے، جیسا کہ حدیث مبارک میں وارد ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایاہے یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے۔

علامہ رکن الدین الصباغی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: یہ قول بہت اچھاہے (وما احسن ھذا)۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ علامہ صباغی کے ان الفاظ (وما احسن ھذا) کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ بھی الفاظ افتاء میں سے ہیں، تو اس قول کو معتمد ہونا چاہیے، اور اس کی تائید وہ قول بھی کرتا ہے کہ جو ردالمحتار کے باب الکسوف میں طحاوی عن حموی عن برجندی عن ملتقط سے منقول ہے کہ: جب عصر کے بعد سورج گرہن لگے یا نصف النہار کے وقت تو لوگ جمع ہو کر دعا کریں

Go To Index

گے، نماز نہیں پڑھیں گے۔ کیونکہ ان دونوں وقتوں میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے، تو اگر یہاں نصف النہار سے مراد ضحوی کبری سے لے کر زوال تک کے درمیان کا وقت نہیں لیتے تو پھر اس عبارت کا کوئی محمل نہیں بنتا، کیونکہ نصف النہار کے وقت نماز سے منع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں اتنا وقت تو ہوتا ہے کہ جس میں نماز پڑھی جاسکے وگرنہ منع کرنا چہ معنی دارد۔!! لہذا نصف النہار سے مراد شرعی نصف النہار ہے کہ جو ضحوی کبری سے لے کر زوال شمس تک ہے۔

غرض: **مسئلہ کی تائید و توثیق و اصطلاح کی توضیح۔**

عربی عبارات

ردالمحتار: "واختلف في وقت الكراهة عند الزوال، فقيل من نصف النهار إلى الزوال لرواية أبي سعيد عن النبي -صلى الله عليه وسلم- «أنه نهى عن الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس» قال ركن الدين الصباغي: وما أحسن هذا."[1]

جد الممتار: "قوله: وما أحسن هذا: قلت: وهذا كما ترى من ألفاظ الإفتاء فليكن المعتمد، ويؤيّده ما سيجيء في الشامي عن ط عن الحموي عن البَرجَندي عن الملتقط في باب الكسوف: (إنّها إذا انكسفت بعد العصر أو نصف النهار دعوا ولَم يصلّوا) أي: لكراهة النفل في الوقتين، فلو لَم يرد بنصف النهار ما بين الضحوة الكبرى إلى الزوال لما كان له معنى كما لا يخفى."[2]

1...۔ (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص39)

2...۔ (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص37)

Go To Index

مقولہ نمبر (790): جمعہ کے دن مکروہ وقت میں نماز:

صاحب در مختار نے مسئلہ بیان کیا کہ طلوع شمس (شروق) اور نصف النہار کے وقت ہر طرح کی نماز حتی کہ نماز جنازہ، سجدہ تلاوت، وغیرہ کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک جمعۃ المبارک کے دن نصف النہار کے وقت نوافل وغیرہ پڑھ سکتے ہیں مکروہ نہیں، اور یہی قول تصحیح شدہ اور معتمد ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے "المصحح المعتمد" کے تحت یہ لکھا کہ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کیونکہ متون وشروح اس کے خلاف پر متفق ہیں۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے معترض کی تعیین کر دی کہ اس پر اعتراض علامہ سید حموی نے "غمزعیون البصائر" میں کیا ہے جس کی مکمل تفصیل وہیں پر مذکور ہے۔

غرض: معترض کی تعیین۔

عربی عبارات

در مختار: "(وكره) تحريما، وكل ما لا يجوز مكروه (صلاة) مطلقا (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلا أو (على جنازة وسجدة تلاوة وسهو) لا شكر قنية (مع شروق) إلا العوام فلا يمنعون من فعلها؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك كما في القنية وغيرها (واستواء) إلا يوم الجمعة على قول الثاني المصحح المعتمد."[1]

جد الممتار: "قوله: اعترض بان المتون ۔۔۔الخ: المعترض العلامة السيد الحموى فى

1 ... (حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص37تا39)

Go To Index

"غمز"، وتمامه فيه."[1]

مقولہ نمبر(791): حدیث میں "لا تمنعوا" سے مراد عوام ہیں نہ کہ خواص۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے "رد المحتار" میں بیان فرمایا کہ شوافع کے نزدیک حرم مکہ میں مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع نہیں ہے کیونکہ حدیث مبارک میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے بنو عبد مناف! کسی ایک کو بھی بیت اللہ شریف کا طواف کرنے سے منع نہ کرو اور رات اور دن میں جب بھی وہ نماز پڑھنا چاہے تو اسے منع نہ کرو" تو اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے روکنے سے منع فرمایا ہے جس وقت بھی پڑھی جائے۔ احناف اس حدیث مبارک کا جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث مبارک ہمارے نزدیک ان اوقات سے مقید ہے جو غیر مکروہ ہیں۔ اس میں اوقات مکروہہ داخل نہیں۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ: ممکن ہے کہ یہ حدیث مبارک اس باب سے ہو کہ جو کہا جاتا ہے کہ عوام کو ان اوقات مکروہہ میں نماز سے نہ روکا جائے، البتہ عدم جواز یہ الگ امر ہے اور منع ایک الگ امر ہے (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بنی عبد مناف کے لوگوں کو کسی بھی وقت نماز پڑھنے سے نہ روکنے کا جو حکم دیا، یا علماء عوام کے لیے جو حکم بتاتے ہیں کہ ان کو مکروہ اوقات میں نماز سے نہیں روکا جائے گا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کا پڑھنا ان اوقات میں جائز بھی ہو جائے گا، رہے گا ناجائز ہی لیکن ان کو منع اس لیے نہ کیا جائے گا کہ وہ کہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو جائیں)۔ پھر اگر یہ اعتراض ہو کہ حدیث مبارک میں تو مطلق حکم

---

1 ...۔ (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص37)

Go To Index

ارشاد ہوا ہے آپ اسے عوام کے ساتھ کیسے مقید کر سکتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ خواص تو خود ہی ان اوقات میں نماز پڑھنے سے بچتے ہیں، تو وہ مکروہ وقت میں نماز پڑھتے ہی نہیں تو ان کو منع کرنے کی حاجت ہی نہیں ہو گی، اور عوام ہی ان اوقات میں نماز پڑھتی ہے تو ان کو روکنے سے منع کر دیا گیا، کیونکہ نماز منع سے بہتر ہے، پس خوب غور و فکر کر لو۔

غرض: مزید افادے کا بیان۔

عربی عبارات

ردالمحتار: "ذكره الشافعية من إباحة الصلاة في الأوقات المكروهة في حرم مكة استدلالا بالحديث الصحيح ((يا بني عبد مناف لا تمنعوا أحدا طاف بهذا البيت وصلى أية ساعة شاء من ليل أو نهار))[1] فهو مقيد عندنا بغير أوقات الكراهة."[2]

جد الممتار: قوله: "فهو مقيّد عندنا بغير أوقات الكراهة قلت: ويمكن أن يكون هذا من باب ما ذكر من أنّ العوام لا يمنعون من الصّلاة في تلك الأوقات، فعدم الجواز أمر، والمنع أمر آخر، وإطلاق المنع على المنع يكون على هذا ملاحظة إلى أنّ الخواص يمتنعون بأنفسهم عن الصّلاة في تلك الأوقات فلا يمنعون إذا صلّوا، والعوام وإن صلّوا فيها إلاّ أنّ الصّلاة خير لا يمنع منه، فتأمّل جدّاً."[3]

مقولہ نمبر (792): عصر مکروہ وقت میں پڑھیں، تو نماز مکروہ ہو گی یا فعل مکروہ ہے؟

صاحب در مختار نے بیان کیا کہ غروب شمس سے پہلے جو مکروہ وقت ہے (20 منٹ) اس

1…(ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، باب: ما جاء فی الرخصۃ فی الصلاۃ بمکۃ فی کل وقت، الرقم 1254)

2…(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص39،40)

3…(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص37)

Go To Index

میں کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، سوائے یہ کہ اس دن کی عصر اگر رہ جائے تو وہ اس وقت پڑھی جاسکتی ہے۔ اگرچہ اتنی دیر کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور یہاں مکروہ کا حکم نفسِ تاخیر پر ہے، نماز کے اندر کوئی کراہت نہیں آئے گی۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اس کے متعلق مختلف اقوال علماء کو بیان کیا، بعض کے نزدیک صرف تاخیر کرنا ہی مکروہ ہے، نماز مکروہ نہیں، اور بعض کے نزدیک تاخیر بھی مکروہ اور نماز بھی مکروہ۔ شارح علیہ الرحمۃ کا مؤقف بھی یہی ہے کہ صرف تاخیر ہی مکروہ ہے نماز میں کوئی کراہت نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے قنیہ کا ایک جزئیہ نقل کیا: کہ کراہت تاخیر کرنے میں ہے نہ کہ وقت میں۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے قنیہ کے جزیئے کے تحت فرمایا کہ قنیہ میں یہ بات امام ظہیر المرغینانی، اور مجد الائمۃ الترجمانی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔

غرض: ماخذ کا بیان۔

عربی عبارات

در مختار: "(وكره صلاة ولو على جنازة و سجدة تلاوة وسهو مع شروق واستواء و غروب، الا عصر يومه) فلا يكره فعله لادائه كما وجب."[1]

ردالمحتار: "قال في القنية: ويستوفي سنة القراءة؛ لأن الكراهة في التأخير لا في الوقت."[2]

1... (حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص40)

2... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص40)

Go To Index

جد الممتار: قولہ:"قال في القنية: نقلا عن امام ظهير المرغيناني، ومجد الائمة الترجماني."[1]

مقولہ نمبر (793): مکمل نماز فجر کو طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنا ضروری ہے؟

صاحب در مختار نے بیان کیا کہ غروب شمس کے وقت اس دن کی عصر پڑھنا تو جائز ہے لیکن طلوع آفتاب کے وقت فجر پڑھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ فجر کا وقت پورے کا پورا کامل ہے لہذا یہ کامل ہی واجب ہوئی ہے، اور اسے کامل ہی ادا کیا جائے گا۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے "بحر" کے حوالے سے نقل کیا کہ اگر یہ کہا جائے کہ محدثین کی ایک جماعت نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مبارک روایت کی کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے غروب شمس سے پہلے عصر کی ایک رکعت بھی پالی تو اس نے نماز کو پالیا، اور جس نے طلوع شمس سے پہلے فجر کی ایک رکعت کو پالیا تو اس نے فجر کی نماز کو پالیا۔" تو اس حدیث مبارک میں تو فجر کے متعلق بھی ہے کہ طلوع شمس سے پہلے اگر ایک رکعت بھی پالی تو نماز ہو جائے گی، حالانکہ دوسری رکعت طلوع شمس کے بعد واقع ہو رہی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس باب میں احادیث متعارض ہیں، کئی احادیث میں طلوع فجر کے بعد نماز نہ ہونے کا آیا ہے، اور کئی میں ہونے کا آیا ہے۔ لہذا جب احادیث میں تعارض آگیا تو ہم قیاس کی طرف لوٹیں گے، لہذا ہم نے عصر کی نماز کے معاملے میں اس حدیث مبارک والی بات کو ترجیح دی، کیونکہ غروب آفتاب کے بعد ایک نماز کا کامل وقت موجود ہے، جبکہ فجر کے معاملے میں ہم نے نہی والی احادیث کو ترجیح دی کیونکہ اس کے بعد زوال کا

---

1 ... (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص38)

Go To Index

وقت ہے کسی نماز کا وقت نہیں۔

امام طحاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارک نہی والی احادیث سے منسوخ ہے، اور ان کا یہ مؤقف ہے کہ عصر کی نماز بھی آخری 20 منٹ سے قبل پڑھی تو ہو جائے گی اور آخری 20 منٹ میں پڑھی تو نہ ہو گی جیسا کہ فجر کا معاملہ ہے، کیونکہ فجر میں جو فساد آیا ہے وہ اس کی بقاء میں فساد ہے، جبکہ عصر کی تو ابتداء میں ہی فساد واقع ہے، لہذا یہ بھی باطل ہو گی۔

برھان میں علامہ طحاوی کی اس بات کا جواب دیا گیا کہ ہم نے عصر کے جواز کا قول اس لیے کیا کہ جس وقت میں عصر پڑھی جائے گی (غروب شمس کے وقت) وہ وقت عصر کے واجب ہونے کا سبب ہے، اسی لیے تو اگر کوئی اس وقت میں اسلام لایا یا بالغ ہو گیا تو اس پر یہ نماز فرض ہو گی، جبکہ فجر میں ایسا نہیں ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ علامہ طحاوی کے مؤقف کی توضیح کرتے ہوئے اس جواب کے سقم کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ علامہ طحاوی کے نزدیک تو عصر کا وقت سورج کے زرد ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے، اور اصفرار شمس سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت یہ وقت مہمل ہے اور مہمل وقت کسی نماز کا سبب نہیں بن سکتا، لہذا علامہ طحاوی کے مؤقف کے مطابق اس جواب کا مقدمہ ہی درست نہیں ہے، کہ وہ اس وقت کو عصر کا وقت مانتے ہی نہیں بلکہ مہمل مانتے ہیں لہذا یہ جواب تام نہیں ہے۔

غرض: علامہ طحاوی کے مؤقف کی توضیح اور ان کو دیے گئے جواب کے سقم کی طرف اشارہ۔

Go To Index

عربی عبارات

در مختار: ”بخلاف الفجر، والأحاديث تعارضت فتساقطت كما بسطه صدر الشريعة.“[1]

ردالمحتار: ”أي فإنه لا يؤدي فجر يومه وقت الطلوع؛ لأن وقت الفجر كله كامل فوجبت كاملة، فتبطل بطرو الطلوع الذي هو وقت فساد.“

”قال في البحر: فإن قيل: روى الجماعة عن أبي هريرة قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم – (من أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدركها، ومن أدرك ركعة من الصبح قبل أن تطلع الشمس فقد أدرك الصبح)[2] أجيب بأن التعارض لما وقع بينه وبين النهي عن الصلاة في الأوقات الثلاثة رجعنا إلى القياس كما هو حكم التعارض، فرجحنا حكم هذا الحديث في صلاة العصر وحكم النهي في صلاة الفجر، كذا في شرح النقاية. اهـ.“

”على أن الإمام الطحاوي قال: إن الحديث منسوخ بالنصوص الناهية، وادعى أن العصر يبطل أيضا كالفجر وإلا لزم العمل ببعض الحديث وترك بعضه بمجرد قولنا طرأ ناقص على كامل في الفجر، بخلاف عصر يومه مع أن النقص قارن العصر ابتداء والفجر بقاء فيبطل فيهما. وأجاب في البرهان بأن هذا الوقت سبب لوجوب العصر حتى يجب على من أسلم أو بلغ فيه.“[3]

جد الممتار: ”قوله: بأنّ هذا الوقت سبب لوجوب العصر: أقول فيه: إنّ الإمام الطحاوي

1...۔ (حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص41)

2...۔ (ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حبان، صحیح ابن حبان، ذکر خبر ثان یصرح باجازۃ صلاۃ من آدرک رکعۃ منھا، الرقم1328)

3...۔ (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص41)

Go To Index

صرّح بأنّ بالاصفرار يخرج وقت العصر أي: فما بينه وبين مغيب الشّمس وقت مهمل، ولا شكّ أنّ الوقت المهمل لا يكون سبباً لوجوب الصّلاة، فالمقدّمة ممنوعة عنده فلا يتمّ الجواب."[1]

مقولہ نمبر (794): مکروہ وقت میں تلاوت قرآن:

صاحب در مختار نے "بغیہ" کے حوالے سے یہ بات نقل فرمائی کہ اوقاتِ ثلاثہ مکروہہ میں درودِ پاک پڑھنا یہ قرآن کریم کی تلاوت سے افضل ہے۔ صاحب بحر نے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ تلاوتِ قرآن کیوں کہ نماز کا رکن ہے تو جب اس وقت میں نماز پڑھنا ممنوع ہے تو **اولی** یہ ہے کہ جو اس کا رکن ہے اس کو بھی ترک کیا جائے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ صاحب بحر کے کلام پر فرماتے ہیں: کہ یہاں اولی کی تعبیر افضل سے ہونی چاہیے تاکہ صاحبِ بحر کا کلام صاحب بغیہ کے کلام کے موافق ہو جائے، کیونکہ تلاوت نہ کرنے کو افضل کہنے کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر کوئی مکروہ وقت میں تلاوتِ قرآن کر بھی لے تو یہ اصلاً مکروہ نہیں ہے، کیونکہ افضل (ذکر و درود وغیرہ) کو ترک کرنا مکروہ نہیں ہوتا۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ: (اقول) میں کہتا ہوں کہ اگرچہ افضل اور اولی میں فقہی تکییف کے اعتبار سے کچھ فرق ہے لیکن اس سے قطع نظر اگر دیکھا جائے تو صاحب بحر کے کلام کو اگر افضل سے تعبیر کر بھی لیا جائے تب بھی یہ صاحب بغیہ کے کلام کے موافق نہ ہو گا۔ کیونکہ ایک شے کا دوسری شے کے مقابلے میں کم فضیلت والا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے فی نفسہ اس شے کا کرنا اس کے ترک سے کم فضیلت والا ہے، وگرنہ تو ہر مستحب، بلکہ

---

1 ... (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص38)

Go To Index

ہر سنت، بلکہ واجب، بلکہ کثیر فرائض کو ترک کرنا ان کی بجا آوری سے افضل ہونا چاہیے کیونکہ ان سنن و مستحبات وغیرہ سے افضل بھی تو کوئی ہو گا۔

دراصل معاملہ یہ ہے کہ فقہائے کرام جب کسی شے کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ "اس کا ترک کرنا افضل ہے" تو یہ اس وقت کہتے ہیں کہ جب اس شے کے اندر کوئی ایسا وصف پایا جائے کہ جو اس بات کا داعی ہو کہ اس کو ترک کر دیا جائے۔ پس عبارت اولی (صاحب بغیہ کی عبارت) میں تو اصلاً کراہت کی طرف اشارہ نہیں ہے، جیسا کہ تم بھی مانتے ہو، بر خلاف دوسری عبارت کے کہ اس میں تو کراہت کا ذکر ہے (لفظ ترک کی وجہ سے) برابر ہے کہ اس کو اولی سے تعبیر کیا جائے یا افضل سے۔ لہٰذا صاحب بغیہ اور علامہ بحر کا کلام موافق نہیں۔

غرض: علامہ شامی کے قول کی تنقیح۔

عربی عبارات

در مختار: "وفيه عن البغية: الصلاة فيها على النبي - صلى الله عليه وسلم - أفضل من قراءة القرآن وكأنه لأنها من أركان الصلاة، فالأولى ترك ما كان ركنا لها."[1]

ردالمحتار: "أي: فالأفضل ليوافق كلام البغية فإن مفاده أنه لا كراهة أصلا؛ لأن ترك الفاضل لا كراهة فيه."[2]

جد الممتار: قوله: "فالأفضل ليوافق كلامَ "البُغْية": أقول: مع قطع النظر عن دقّة الفرق بينهما لا يتوافق الكلامان بعد التعبير بالأفضل أيضاً، فإنّ مفضوليّة شيء من شيء لا تستلزم

---

1 ... (حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص44، 43)

2 ... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص44)

Go To Index

مفضوليّة فعله من تركه، وإلاّ لكان ترك كلّ مستحبّ بل كلّ سنّة بل واجب بل كثير من الفرائض أفضل من فعله؛ إذ ما من فاضل إلاّ وغيره أفضل منه، إلاّ ما كان أفضل من الكلّ، وقولنا في شيء: "إنّ تركه أفضل" إنّما يطلق حيث يكون في نفس من فعله معنى داعٍ إلى الرغبة عنه، فالعبارة الأولى لا تعطي الكراهة أصلاً كما قلتم بخلاف الثاني سواء عبّر بالأَولى أو بالأفضل."[1]

مقولہ نمبر(797):سنت فجر کب تک پڑھ سکتے ہیں؟

صاحب درمختار نے ایک مسئلہ بیان کیا کہ جب جماعت کھڑی ہو جائے تو اس وقت کسی بھی قسم کے نوافل وسنن پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ حدیث مبارک میں ہے کہ: جب جماعت کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز پڑھنا درست نہیں۔ مگر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں اگرچہ جماعت کھڑی ہو جائے، اگرچہ آخری تشہد میں ہی ملے، ہاں اگر جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اس وقت سنت فجر بھی نہیں پڑھ سکتے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اس قول "کہ اگرچہ تشہد میں ملے" کے تحت یہ فرمایا کہ صاحب در نے بحر کے حوالے سے یہ قول نقل کیا ہے، لیکن صاحب نہر نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے اور ظاہر مذہب کو اختیار کیا ہے کہ: سنتیں اس وقت پڑھنے کی اجازت ہے کہ جب فجر کی ایک رکعت مل جائے اگر ایک رکعت بھی نہیں ملتی تو سنتیں نہیں پڑھی جائیں گی۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بدائع میں بھی اسی ظاہر مذہب والے قول کو ترجیح

1...(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص38،39)

Go To Index

دی گئی ہے۔

غرض: صاحب نہر کی تائید میں جزئیہ۔

عربی عبارات

در مختار: ”(وكذا يكره تطوع عند إقامة صلاة مكتوبة) أي إقامة إمام مذهبه لحديث ”إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة“ (إلا سنة فجر إن لم يخف فوت جماعتها) ولو بإدراك تشهدها، فإن خاف تركها أصلا.“[1]

ردالمحتار: ”(قوله: ولو بإدراك تشهدها) مشى في هذا على ما اعتمده المصنف والشرنبلالي تبعا للبحر، لكن ضعفه في النهر، واختار ظاهر المذهب من أنه لا يصلي السنة إلا إذا علم أنه يدرك ركعة.“[2]

جد الممتار: قوله: ”ظاهر المذهب: ورجحه في البدائع.“[3]

مقولہ نمبر (798): وہ اوقات جن میں نوافل، نذر کی نماز، طواف کی نماز وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔

در مختار میں ان اوقات کا ذکر ہوا جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ علامہ حصکفی نے فرمایا کہ یہ مقامات تیس سے کچھ زائد ہیں جس کے لیے ”نيف وثلاثون“ کی عبارت ذکر کی۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ: یہاں **نیف** سے مراد ”**تین**“ ہے تو اس طرح یہ مکروہ اوقات 33 ہوئے۔

---

1 ... (حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص49)

2 ... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص49،50)

3 ... (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص40)

Go To Index

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (اقول) میں کہتا ہوں کہ: ان (33) اوقات کو یہ 16 اوقات جامع ہیں اور وہ یہ ہیں :(1) طلوع آفتاب کے وقت ۔(2) نصف النہار کے وقت۔(3) غروب آفتاب ۔(4) طلوع فجر سے طلوع آفتاب کے درمیان۔(5) عصر کے بعد۔(6) مغرب سے پہلے ۔(7) خطبہ کے وقت ۔(8) فرض نماز کی اقامت کے وقت ۔(9) یا فرض نماز کا وقت تنگ ہو تو اس وقت۔(10) نماز عید سے پہلے۔(11) یا مسجد میں نماز عید کے بعد ۔(12) مزدلفہ میں مغرب و عشاء اکھٹی پڑھنے کے درمیان ۔(13) عرفات میں ظہر و عصر ایک ساتھ پڑھنے کے بعد۔(14) جب دل کسی ایسے کام میں مشغول ہو کہ جس کو دور کرنا اس کے اپنے ہاتھ میں ہی ہے۔تو اس کو دور کیے بغیر نماز پڑھنا(15) آدھی رات کے بعد عشاء کی نماز۔(16) ستاروں کے گتھ جانے کے بعد مغرب کی نماز پڑھنا۔

ان میں جو اوقات خاص طور پر نوافل کے لیے مکروہ ہیں وہ دس ہیں۔اور وہ ان میں سے پہلے تین اور آخری تین کے علاوہ ہیں۔

میں کہتا ہوں: میرے نزدیک جو پسندیدہ قول ہے اس کے مطابق غیر صاحب ترتیب کے لیے ان اوقات میں قضاء نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔وہ اوقات درج ذیل ہیں:

مغرب سے پہلے ،خطبہ کے وقت ،وقتی نماز کی اقامت کے وقت ،اور یقینی طور پر وقتی نماز کا وقت کم رہ جائے تو اس وقت ،اسی طرح عید سے پہلے مطلقاً اور نماز عید کے بعد خاص مسجد میں۔

اور ان اوقات میں قضاء نماز کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو حال سے خالی نہ ہو گی کہ یا تو اس میں فوت شدہ نماز کا اظہار کرنا پایا جائے گا اور اس سے منع کیا گیا ہے (اسی لیے فوت شدہ

Go To Index

نماز کو مسجد میں پڑھنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔) یا پھر اس میں مکروہ وقت میں نفل پڑھنے کا وہم ہو گا، تو جو ان اوقات میں نوافل پڑھنے کے مکروہ ہونے کو جانتا ہے، وہ بدگمانی میں مبتلا ہو گا، اور جو اس مسئلہ سے جاہل ہے اس کے لیے یہ عمل مکروہ وقت میں نوافل پڑھنے پر باعث ترغیب ہو گا۔

اسی طرح مزدلفہ میں مغرب و عشاء کے درمیان بھی قضاء نماز کی ادائیگی مکروہ ہونی چاہیے کیونکہ اس طرح دو نمازوں کے درمیان اجنبی فاصل آجائے گا، اور بظاہر ایسا ہی حکم عرفہ میں ظہر و عصر ایک ساتھ پڑھنے کے بعد کے وقت کا ہے، البتہ یہ کراہت کا حکم اس بندے کے لیے ہو گا جس کی کثیر نمازیں فوت ہو گئی ہوں اور وہ ان کو اس سارے وقت میں ادا کرنے پر قادر نہ ہو، مگر جس کی نمازیں کم قضاء ہوں اور وہ آسانی سے ان کی ادائیگی کر کے، اس کے بعد وقوف و دعا میں مشغول ہو جائے گا تو میرے نزدیک اولی یہ ہے کہ دعا سے قبل وہ ان کو ادا کر کے بری الذمہ ہو جائے۔

تو اس ساری گفتگو کے بعد ظاہر ہوا کہ جن اوقات میں فقط نوافل مکروہ ہیں وہ صرف طلوع فجر و طلوع آفتاب کے درمیان کا اور عصر کے بعد کا وقت ہے (اور دیگر مکروہ اوقات میں نوافل کے ساتھ ساتھ دیگر واجب نمازیں بھی مکروہ ہیں۔) اور اللہ عزوجل زیادہ جاننے والا ہے۔

غرض: افادۂ مزید کا بیان۔

عربی عبارات

در مختار: ”(وكره نفل) قصدا (وكل ما كان واجبا) لا لعينه بل (لغيره) وهو ما يتوقف وجوبه على فعله (كمنذور، وركعتي طواف) وسجدتي سهو (والذي شرع فيه) في وقت مستحب أو مكروه (ثم أفسده و) لو سنة الفجر (بعد صلاة فجر و) صلاة (عصر) ولو المجموعة

Go To Index

بعرفة (لا) يكره (قضاء فائتة و)....**فهذه نيف وثلاثون وقتا.**"[1]

ردالمحتار: "النيف بفتح النون وكسر التحتية مشددة وقد تخفف وفي آخره فاء.... والمراد هنا ثلاثة وثلاثون على ما يظهر."[2]

جد الممتار: قوله: "ثلاثة وثلاثون على ما يظهر: أقول: ويجمعها ستّة عشر: (1) شروق (2) استواء (3) غروب (4) بين الطّلوعَين (5) بعد عصرٍ (6) قبل مغربٍ (7) عند خطبةٍ (8) أو إقامةِ مكتوبةٍ (9) أو ضيق وقتِها (10) قبل صلاة عيدٍ (11) أو في المسجد بعدها (12) بين صلاتَي جمعٍ (13) بعد جمع عرفة (14) عند شغل بالٍ بيدي دفعه (15) بعد نصف الليل للعشاء (16) عند اشتباك النّجوم للمغرب، فالأوقات المكروه فيها النفل خاصّةً عشرةٌ، وهي ما عدا الثلاثة الأُوَل والثلاثة الأخيرة، والله تعالى أعلم. وأقول: بل يكره القضاء فيما أحبّ لغير صاحب الترتيب قبل المغرب وعند خطبة وإقامة وقتية، وعند ضيق وقتها قطعاً، وكذا قبل عيدٍ أو في المسجد بعدها؛ لأنّه لا يخلو عن أحد أمرين، إمّا إظهار التفويت وقد نهوا عنه حتّى أمروا أن لا يقضي في المسجد، وإمّا إيهام التنفّل المكروه، وفيه إساءة ظنّ العالم به وإغراء الجاهل على مثله، وكذا بين صلاتَي جمعٍ للفصل بالأجنبيّ، ولعلّه كذلك بعد جمع عرفة لمن كان عليه فوائت كثيرة لا يقدر على أدائها في الوقت، أمّا من عليه بعض فوائت يسهل أدائها في زمن يسير ويلحق الوقوف والدعاء فأرى الأولى له إبراء العهدة عندها قبل الدعاء، فظهر أنّه لا يختصّ بالنفل إلاّ بين الطّلوعَين وبعد العصر." والله تعالى أعلم.[3]

1...(حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص51)

2...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص51)

3...(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص40،41)

Go To Index

باب دوم: اماکن الصلوۃ

مقولہ نمبر (799): قبر کے سامنے نماز کا مسئلہ:

صاحب در مختار نے ان جگہوں کا ذکر فرمایا کہ: جہاں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور ان میں قبرستان کا بھی ذکر فرمایا۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اس کے تحت "خانیہ" کے حوالے سے نقل فرمایا کہ: اگر قبرستان میں نماز پڑھنے کی الگ سے جگہ بنی ہوئی ہو اور اس جگہ میں کوئی قبر بھی نہ ہو اور کوئی نجاست بھی نہ ہو تو وہاں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، اور "حلبہ" میں ہے کہ نمازی کے جانبِ قبلہ بھی قبر نہ ہو۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ (ولا قبلته الی قبر) کے تحت فرماتے ہیں کہ: یہاں سامنے قبر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ نمازی جب خشوع و خضوع والی نماز پڑھے اور اس دوران قیام میں جہاں تک اس کی نظر جاتی ہے اس کے اندر اندر قبر نہیں ہونی چاہیئے۔ جیسا کہ عنقریب صفحہ نمبر 684 پر آئے گا۔

غرض: مسئلہ کی توضیح اور آنے والی بحث کی طرف اشارہ۔

عربی عبارات

در مختار: "وكذا تكره في أماكن كفوق كعبة وفي طريق ومزبلة ومجزرة **ومقبرة** ومغتسل وحمام وبطن واد ومعاطن إبل وغنم۔"[1]

---

1 ... (حصکفی، علاؤ الدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص52)

Go To Index

ردالمحتار: ”ولا بأس بالصلاة فيها إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة كما في الخانية ولا قبلته إلى قبر حلية.“[1]

جد الممتار: قوله: ”ولا قِبلَتُهُ إلى قبر، حلبة: بحيث لو صلّى صلاة خشوع وقع بصره عليه كما سيأتي صـ684.“[2]

مقولہ نمبر:(800)چکی والی جگہ نماز پڑھنا کیسا؟

صاحب درنے جن مقامات پر نماز پڑھنے کے مکروہ ہونے کو بیان فرمایا ان میں سے ایک ایسی جگہ کا بھی ذکر فرمایا کہ: جہاں پر چکی ہو۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس کی علت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: چکی والی جگہ پر نماز اس لیے مکروہ ہے کیونکہ اس کی آواز سے نماز کے اذکار وغیرہ میں خلل واقع ہوتا ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے اس علت کی تائید کی اور بطور تائید فقہائے کرام کا حوالہ پیش کیا کہ فقہاء نے چکی والی جگہ پر نماز پڑھنے کو اس وقت مکروہ قرادیا ہے کہ جب چکی چل رہی ہو، کیونکہ اس کے شور سے نماز میں خلل آئے گا۔

غرض: علامہ شامی کی بیان کردہ علت کی تائید وتوثیق۔

عربی عبارات

در مختار: ”وكذا تكره في أماكن كفوق كعبة۔۔۔وإصطبل **وطاحون**۔“[3]

---

1 ... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص52)

2 ... (اعلی حضرت، امام احمد رضاخان، جد الممتار، ج3، ص42)

3 ... (حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص54)

Go To Index

ردالمحتار: ”لعل وجهه شغل البال بصوتها تأمل۔“[1]

جد الممتار: قوله: ”شغلُ البال بصوتها، تأمّل: ولذا خصّوا الكراهة بحال الطحن۔“[2]

مقولہ نمبر (802): مغصوبہ زمین پر بنی مسجد میں نماز کا مسئلہ:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے علامہ حلبی کی ”شرح منیہ“ کے حوالے سے یہ قول نقل کیا کہ: مغصوبہ زمین میں اگر مسجد بنالی جائے تو اس میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ: یہ قول امام ابو یوسف کا قول ہے، جیسا کہ ”هندیه“ میں ”محیط“ کے حوالے سے منقول ہے، اور اسی کے باب الکراہیۃ میں ”مضمرات“ کے حوالے سے منقول ہے، اور علامہ ہشام نے اس قول کی مخالفت کی ہے جیسا کہ ”هندیه“ میں ہی ”محیط“ کے حوالے سے منقول ہے، اور ان کا قول دلائل کے زیادہ موافق، اور قواعد کے زیادہ متعلق ہے، جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں، اور امام ابو یوسف نے اس مسئلہ میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ جب کسی مغصوبہ زمین میں مسجد بنادی جائے تو اس میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اور جب کسی مغصوبہ گھر کو مسجد بنادیا جائے تو اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اور امام ابو یوسف کے قول کا معنی وجہ فرق کے ساتھ ہم نے اپنے فتاویٰ کے کتاب الوقف میں ذکر کردیا ہے، لہٰذا ”ردالمحتار“ پر جو کتاب الوقف پر ہمارا حاشیہ ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

غرض: قول کے قائل کی تعیین، اور مسئلہ پر اپنی تحقیق کی طرف اشارہ۔

1۔۔۔ (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص54)

2۔۔۔ (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص42)

Go To Index

عربی عبارات

ردالمحتار:”وفي شرح المنية للحلبي: بنى مسجدا في أرض غصب لا بأس بالصلاة فيه.“[1]

جد الممتار: قوله:”لا بأس بالصّلاة فيه: هو قول الإمام أبي يوسف كما في "الهنديّة" عن "المحيط"، وفي كراهيتها عن "المضمرات" - وخالفه هشام كما فيها عن "المحيط"، وهو الأوفق بالدلائل، الألصق بالقواعد كما لا يخفى - وفرّق أبو يوسف بين ما إذا غصب أرضاً فبناها مسجداً، وما إذا غصب داراً فجعلها مسجداً حيث لَم تجز الصّلاة فيها، ومعنى قوله مع وجه الفرق ما ذكرنا في الوقف من "فتاوانا"، وانظر ما نذكر على هامش هذا الكتاب من الوقف.“[2]

جمع بين الصلاتين

مقولہ نمبر (805): صحیحین میں جمع بین الصلاتین کی روایت کی تنقیح:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے جمع بین الصلاتین کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کا تذکرہ کیا جس میں ہے ”اس ذات کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کو اس کے وقت میں ہی ادا کیا سوائے دو مقامات پر، عرفہ میں ظہر و عصر کو اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو“ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دو مقامات کے علاوہ کسی اور مقام پر جمع حقیقی جائز نہیں ہے۔

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص55)

2...(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص43)

Go To Index

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ: علامہ شامی نے اس جگہ "غنیہ" کی اتباع کرتے ہوئے صحیحین کے حوالے سے عرفہ میں ظہر و عصر ایک ساتھ پڑھنے کا لکھا ہے۔ اس کی تحقیق "غنیہ" پر موجود ہمارے حاشیہ میں ہے اس کی طرف مراجعت کریں۔

اعلی حضرت رحمہ اللہ نے "غنیہ" پر اپنے حاشیہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ صحیحین میں عرفات میں ظہر و عصر ایک ساتھ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے لہذا یہاں صحیحین کی طرف نسبت کرتے ہوئے عرفہ میں ظہر و عصر ایک ساتھ پڑھنے کا ذکر کرنا درست نہیں۔

غرض: اپنی تحقیق کی طرف اشارہ اور مراجعت کی دعوت۔

عربی عبارات

ردالمحتار: "وفي الصحيحين ((عن ابن مسعود والذي لا إله غيره ما صلى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - صلاة قط إلا لوقتها إلا صلاتين جمع بين الظهر والعصر بعرفة، وبين المغرب والعشاء بجمع[1]))"[2]

جد الممتار: "قوله: وفي "الصَّحِيحَين" عن ابن مسعود تبع فيه "الغنية" ويجب عليك مراجعة ما ذكرنا على هامشها صـ547."[3]

مقولہ نمبر (807): ضرورت کے پیش نظر جمع بین الصلاتین:

صاحب درمختار نے مسئلہ بیان کیا کہ عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ کسی اور جگہ پر دو نمازوں کو جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ اگر مجبوری کی حالت میں دو نمازوں کو جمع کرنا

1...۔ (سیوطی، جلال الدین سیوطی، الجامع الکبیر، مسند عبد اللہ ابن مسعود، الرقم 427)

2...۔ (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص57)

3...۔ (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص45)

Go To Index

پڑے، تو اس مسئلہ میں ایسے امام کی تقلید جائز ہو گی، جن کے نزدیک جمع بین الصلاتین جائز ہے، لیکن اس میں ضروری ہے کہ تقلید کرنے والا اس امام کی ان تمام شرائط کی پیروی کرے جو انہوں نے اس مسئلہ کے متعلق لازم فرمائی ہیں۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ: ضرورت کے وقت بھی کسی دوسرے مذہب کے امام کی تقلید کی حاجت نہیں بلکہ فقہ حنفی ہی میں ایسے جزئیات موجود ہیں جن میں وقت حاجت جمع بین الصلاتین کا جواز موجود ہے۔ جیسا کہ بعض فقہائے کرام نے "مضمرات" کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ: اگر مسافر کو چور، ڈاکوؤں کا یا قافلے سے بچھڑ جانے کا خوف ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ نماز میں تاخیر کرلے، کیونکہ یہاں عذر ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "قال بعضھم" کے قائل محمد بن پیری بن محمد (جو کہ پیری زادہ کے نام سے مشہور ہیں) ہیں، انہوں نے اپنے رسالے جس کا نام "دفع الضرر فی الترخص بتاخیر الصلاۃ فی السفر" میں اس کو "خزانۃ الروایات" سے نقل کیا اور وہاں "مضمرات" سے منقول ہے۔

غرض: قائل کی تعیین۔

عربی عبارات

ردالمحتار: "وأيضا عند الضرورة لا حاجة إلى التقليد **كما قال بعضهم مستندا لما في المضمرات.**"[1]

جد الممتار: قوله: "كما قال بعضهم مستنداً: قاله پيري زاده في رسالة له سمّاها دفع الضرر في الترخّص بتأخير الصّلاة في السفر نقلاً عن خزانة الروايات عن المضمرات."[2]

---

1 ... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص57)

2 ... (اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص46)

Go To Index

مقولہ نمبر (808): مذہب شوافع پر جمع تقدیم کی ایک شرط:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے "نہرالفائق" کے حوالے سے شوافع کے نزدیک جمع تقدیم (یعنی دو نمازوں کو اس طرح ایک ساتھ جمع کرنا کہ بعد والی نماز کو پہلی کے وقت میں پڑھنا) کی شرائط بیان فرمائیں، ان میں سے تیسری شرط یہ ہے کہ جن دو نمازوں کو جمع کرنا مقصود ہے ان کے درمیان کوئی ایسا فاصل نہ ہو کہ جسے عرف میں فاصل شمار کیا جاتا ہو۔

اس شرط سے متعلق "جدالممتار" میں ہے: جمع تقدیم میں جس صورت میں عصر کو مقدم کیا جائے گا تو چونکہ دو فرضوں کے درمیان اجنبی فاصل نہ ہونا ضروری ہے تو اس صورت میں ظہر کی سنت بعدیہ کا ترک لازم آئے گا۔ (یعنی ان کو عصر کے فرضوں کے بعد پڑھنا ہوگا) جیسا کہ شوافع نے بھی اپنی کتب میں اس کی صراحت کی ہے۔

غرض: جمع تقدیم میں شوافع کی شرط پر متفرع ہونے والے مسئلہ کا بیان۔

عربی عبارات

ردالمحتار: "فقد شرط الشافعي لجمع التقديم ثلاثة شروط: تقديم الأولى، ونية الجمع قبل الفراغ منها، وعدم الفصل بينهما بما يعد فاصلا عرفا."[1]

جدالممتار: قوله: "فاصلاً عرفاً: فيلزمه ترك السُنَن البعدية في الظهر إن قدّم العصر كما صرّح به الشافعيّة في كُتُبهم."[2]

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص58)

2...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جدالممتار، ج3، ص47)

Go To Index

باب سوم: باب الاذان

مقولہ نمبر (809): شہر میں اذان کی شرعی حیثیت:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے "بحر" کے حوالے سے ایک مسئلہ بیان کیا کہ اذان ہر شہر والوں پر سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یعنی اگر کسی شہر میں ایک مسجد میں اذان ہو گئی تو پورے شہر سے سنت ادا ہو گئی۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس مؤقف کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یہ مؤقف منقول فی المذہب کے خلاف ہے۔

غرض: خلاف مذہب بحث پر تنبیہ

عربی عبارات

ردالمحتار: "واستظهر في البحر كونه سنة على الكفاية بالنسبة إلى كل أهل بلدة، بمعنى أنه إذا فعل في بلدة سقطت المقاتلة عن أهلها."[1]

جد الممتار: أقول: "بحث على خلاف المنقول كما سَنذكُره."[2]

مقولہ نمبر (810): اذان ہر محلے والوں پر سنت مؤکدہ ہے۔

"رد المحتار" میں صاحب نہر کے حوالے سے یہ بات بیان ہوئی کہ وہ بستیاں جن کے اطراف شہر کے اطراف کی طرح بہت وسیع و عریض ہوتے ہیں، جیسا کہ شہر کے وسیع اطراف

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص61)
2...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص48)

Go To Index

ہوتے ہیں، تو کیا ان میں بھی کسی ایک مقام پر اذان ہونے سے تمام بستی والے بری الذمہ ہو جائیں گے!؟ صاحب نہر فرماتے ہیں کہ: اس حوالے سے مجھے کوئی صراحت نہیں ملی، البتہ **ظاہر یہ ہے کہ ہر محلے والوں کو اذان کی آواز آنی چاہیے** اگرچہ دوسرے محلے سے آئے، تو اذان کی آواز آنے کی صورت میں ان پر سے یہ سنت مؤکدہ علی الکفایہ ساقط ہو جائے گی، ہاں اگر ان کو اذان کی آواز نہیں آتی تو ان سے یہ سنت ساقط نہ ہو گی۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب نہر کے اس مؤقف کی تائید میں "خانیہ" کا ایک جزئیہ نقل فرماتے ہیں: چنانچہ "خانیہ" میں ہے: اذان سنت مؤکدہ ہے ہر اس فرض نماز کے لیے کہ جو جماعت کے ساتھ ادا کی جائے، اور یہ بات سنت، اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اور یہ شعائر اسلام میں سے ہے یہاں تک کہ اگر کسی شہر والے یا بستی والے **یا کسی محلے والے اذان نہ دیں** تو امام (حاکم) ان پر سختی کرے، اگر پھر بھی وہ اذان نہ دیں تو ان سے قتال کرے۔

غرض: مسئلہ کی تائید میں جزئیہ۔

عربی عبارات

ردالمحتار: قال في النهر: "ولم أرحكم البلدة الواحدة إذا اتسعت أطرافها كالمصر، والظاهر أن أهل كل محلة سمعوا الأذان ولو من محلة أخرى يسقط عنهم لا إن لم يسمعوا"[1]

جدالممتار: قوله: "والظّاهر أنّ أهل كلّ محلّة: أقول: قال في "الخانية" أوّل كتاب الصّلاة: (الأذان سنّة [مؤكدة] لأداء المكتوبة بالجماعة عرف ذلك بالسنّة وإجماع الأمّة، وإنّه

1 ... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص 61)

من شعائر الإسلام، حتّى لو امتنع أهل مصر أو قرية أو محلّة أجْبرَهم الإمام، فإن لَم يفعلوا قاتلهم)اهـ فافهم.“[1]

مقولہ نمبر(811):کیا سفر میں بھی اذان سنت مؤکدہ ہے؟

علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمۃ نے اذان کے متعلق ارشاد فرمایا کہ: اذان پانچوں نمازوں کے لیے سنتِ مؤکدہ ہے۔علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: یہ حکم حالتِ سفر کو بھی شامل ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: عنقریب ”درمختار“میں اس کے برخلاف بیان ہو گا (یعنی اذان کا سنت مؤکدہ ہونا سفر کی حالت میں نہیں ہے) اور علامہ شامی بھی اسے برقرار رکھیں گے۔

غرض: مخالف مسئلہ کی نشاندہی۔

عربی عبارات

درمختار:”(وهو سنة) للرجال في مكان عال (مؤكدة) هي كالواجب في لحوق الإثم (للفرائض) الخمس.“[2]

ردالمحتار:”وشمل حالة السفر والحضر.“[3]

جدالممتار: قوله:”وشمل حالة السفر: سياتي خلافه شرحاص409،ويقره عليه

1...(اعلی حضرت، امام احمد رضاخان، جدالممتار، ج3، ص48)

2...(حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، درمختار، ج2، ص61، 60)

3...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص61)

Go To Index

المحشي."[1]

مقولہ نمبر (812): جماعت، تنہا، سفر، ان مختلف حالتوں میں نماز کے لیے اذان کی شرعی حیثیت:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے "مواھب الرحمن" اور "نور الایضاح" کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ اذان ہر حال میں سنتِ مؤکدہ ہے، خواہ جماعت سے نماز پڑھی جائے، یا انفرادی طور پر، سفر میں ہوں یا حضر میں۔

اعلی حضرت رحمہ اللہ نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ: جماعت مستحبہ کے ساتھ جو نماز ادا کی جائے اس کے لیے اذان سنت مؤکدہ ہے اس کے علاوہ دیگر حالتوں میں اذان سنت مؤکدہ نہیں۔

چنانچہ "منفردا" کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: "خانیہ" میں اور "ھندیہ" میں "خانیہ" کے حوالے سے یہ بات موجود ہے کہ اذان اس وقت سنتِ مؤکدہ ہے جب کہ فرض نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے، اکیلے پڑھنے والے کے لیے سنت مؤکدہ نہیں ہے، چنانچہ "ھندیہ" میں "خانیہ" کے حوالے سے ہے: مسجد میں بغیر اذان و اقامت کے جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ اور اسی میں "محیط" کے حوالے سے اس مسئلے کے بارے میں ہے کہ جب مسافر شہر میں نماز ادا کرے کہ: جب اس محلے میں اذان نہ دی گئی ہو تو اذان و اقامت دونوں کو ترک کر دینا مکروہ ہے، اور اگر صرف اذان کو ترک کیا تو یہ مکروہ نہیں ہے اھ۔ اور "ھندیہ" میں "مبسوط" کے حوالے سے، باب "مسافر کے مسائل" میں ہے: اگر مسافر اذان و اقامت دونوں کہے تو یہ بہت اچھا ہے، اسی طرح اگر وہ اقامت کہہ لے لیکن اذان نہ کہے یہ بھی حسن ہے۔ اور

---

1 ... (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص49)

Go To Index

ایک مقام پر ”خانیہ“ کے حوالے سے ہے، اگر مسافر حضرات جنگل میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں، اور اذان چھوڑ دیں تو یہ مکروہ نہیں، اور اگر اقامت بھی ترک کر دیں تو مکروہ ہے۔ پس یہ روایات اور ان کی ہم مثل روایات یہ ما قبل جو اطلاقات گزرے ہیں (کہ اذان سفر و حضر، جماعت منفرد، سب کے لیے سنت مؤکدہ ہے، اور ترک مکروہ ہے) ان کے خلاف ہیں۔ ہاں البتہ اقامت کے حق میں بالاتفاق یہ اطلاقات درست ہیں۔ اور اس بات میں تو سب متفق ہیں کہ جب فرض نماز کو اس کے وقت میں مسجد کے اندر جماعت مستحبہ (یعنی آزاد اور کپڑوں والے مردوں کی جماعت) کے ساتھ ادا کیا جائے تو اس کے لیے اذان دینا سنتِ مؤکدہ ہے۔

غرض: محشی کے قول کے خلاف قول کی طرف اشارہ۔

عربی عبارات

ردالمحتار: ”قال في مواهب الرحمن ونور الإيضاح ولو منفردا أداء أو قضاء سفرا أو حضرا.“[1]

جد الممتار: قوله: ”ولو منفرداً: أقول: قد علمت ما في "الخانية"، ومثله عنها في "الهندية" من التقييد بالجماعة، وفيها عنها: (يكره أداء المكتوبة بالجماعة في المسجد بغير أذانٍ وإقامةٍ) اهـ. وفيها عن "المحيط" في مسألة من يصلّي في المصر: (إذا لَم يؤذّن في تلك المحلّة يكره له تركهما، ولو ترك الأذان وحده لا يكره) اهـ. وفيها عن "المبسوط" في مسألة المسافر: (إن أذّن وأقام فهو حسنٌ، وكذلك إن أقام ولَم يؤذّن) اهـ. وفيها عن "الخانية": (إن

1 ... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص 62)

صلّوا بجماعةٍ في المفازة وتركوا الأذان لا يكره، وإن تركوا الإقامة يكره) اهـ. فهذه الروايات وأمثالها تعارض أكثر تلك الإطلاقات، نعم! هي صحيحة وفاقاً في حقّ الإقامة والقدر المتّفق عليه في الأذان أنّها سنّة مؤكّدة لصلاةٍ مكتوبةٍ أدّيت في وقتها في المسجد بجماعةٍ مستحبّةٍ، أعني: جماعة الرجال الأَحرار الكاسين، والله تعالى أعلم."[1]

مقولہ نمبر (813): کب اذان دینا سنت نہیں؟

"ردالمحتار" میں مختلف کتب فقہ سے اس بات کو ذکر کیا کہ اذان مطلقاً سنتِ مؤکدہ ہے چاہے سفر میں ہوں یا حضر میں، جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے یا انفرادی طور پر۔ البتہ یہاں کچھ صورتیں مستثنی ہیں جن کو بیان کرتے ہوئے "ردالمحتار" میں فرمایا ہے: معذورین کے لیے جمعہ کے دن نماز ظہر پڑھنے کے لیے اذان سنت نہیں ہے، اسی طرح فوت شدہ نمازوں کو جب مسجد میں ادا کیا جائے تو اس وقت بھی اذان سنت مؤکدہ نہیں۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے اس مسئلے کی مزید مستثنیات کو ذکر فرمایا کہ: اس سے یہ مسائل بھی مستثنی ہیں: جب ایک ہی مجلس میں بہت ساری قضاء نمازیں پڑھی جائیں تو پہلی نماز کے علاوہ دیگر نمازوں کے لیے اذان سنت نہیں۔ کیونکہ ان کے لیے پہلی نماز والی اذان ہی کفایت کر جائے گی اگرچہ ہر ہر نماز کے لیے اذان دینا افضل ہے جیسا کہ کافی وغیرہ میں ہے۔ مزید اس سے عرفات میں عصر کی نماز اور مزدلفہ میں عشاء کی نماز کے لیے اذان دینا بھی مستثنی ہے، جیسا کہ "ہندیہ" میں "خانیہ" کے حوالے سے ہے: عرفات اور مزدلفہ میں دو نمازوں کو جمع کرتے وقت

---

1 ...۔ (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص49،50)

Go To Index

پہلی نماز کے لیے اذان و اقامت کہی جائے گی، اور دوسری کے لیے صرف اقامت کہی جائے گی اذان نہیں اھ۔ اور اس سے وہ مسئلہ مستثنیٰ نہیں ہے جو عنقریب ذکر ہو گا کہ اگر نماز کو فاسد کر دیا اور پھر اس کا اعادہ وقت کے اندر ہی کیا گیا تو اس صورت میں دوبارہ اذان نہیں دی جائے گی۔ یہ مسئلہ اس لیے مستثنیٰ نہیں ہے کیونکہ جب وقت کے اندر ہی نماز کا اعادہ کر لیا تو یہ اذان کے بعد ہی نماز ہوئی جو پہلے دی جاچکی تھی۔ لہذا یہ استثناء کی صورت میں داخل نہیں۔

غرض: مزید افادے کا بیان۔

عربی عبارات

ردالمحتار: ویستثنی ظهر یوم الجمعة في المصر لمعذور وما یقضي من الفوائت في مسجد كما سيذكره.“[1]

جد الممتار: قوله: ویستثنی ظهرُ یوم الجُمُعة في المصر لمعذورٍ: أقول: ویستثنی ماوراء أوّل الفوائت إذا قضیت في مجلسٍ واحدٍ، فإنّ له أن یكتفي بالأذان لأولها وإن كان الأفضل التأذين لكلٍّ كما في "الكافي" وغيره، ويستثنى أيضاً عصرُ عرفة وعشاء مزدلفة كما في "الهندية" عن "الخانية": (في الجمع بين الصلاتين بعرفة ومزدلفة يؤذّن ويقيم للأولى ويقيم للثانية ولا يؤذّن) اهـ. ولا يستثنى ما سيأتي أنّهم لو أفسدوا صلاة فأعادوها في الوقت لَم يعيدوا الأذان؛ لأنّ الأداء إذا حصل في الوقت حصل كونه بعد الأذان فلا استثناء.“[2]

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص62)

2...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص51)

Go To Index

مقولہ نمبر(814):اذان واقامت دونوں میں دائیں بائیں التفات کیا جائے گا؟

علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمۃ نے اذان کے متعلق بیان کیا کہ اذان میں ترسل کیا جائے گا(یعنی دو کلمات کے درمیان سکتہ کیا جائے گا)اور حیعلتین میں دائیں بائیں التفات کیا جائے گا۔ اور یہی حکم اقامت میں بھی ہے کہ اس میں بھی بغیر کسی قید کے حیعلتین میں دائیں بائیں التفات کیا جائے گا اگرچہ محل(مسجد)وسیع ہو یا تنگ۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ"قنیہ"کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:اصح قول یہ ہے کہ مؤذن اذان میں "حی علی الصلاۃ" میں دائیں طرف اور"حی علی الفلاح" میں بائیں طرف منہ پھیرے، اور اقامت میں بھی اسی طرح کیا جائے گا۔اس کے بعد صاحب قنیہ نے کچھ فقہائے کرام کے نام رموز میں ارشاد فرمائے(**مت،شم،قع،ضح**)، کہ ان کے نزدیک بھی یہ چہرہ پھیرنے والا مسئلہ اذان واقامت دونوں کے لیے ہے۔ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے ان رموز کی وضاحت فرمادی کہ:"**مت**"سے مراد مجد الائمہ الترجمانی،"**شم**" سے مراد شرف الائمہ المکی، اور "**قع**" سے مراد قاضی عبدالجبار،اور"**ضح**" سے مراد یا تو ایضاح ہے یا ضیاء الائمۃ الجی ہیں ۔ اور "قنیہ"میں ہی"ملتقط"کے حوالے سے ہے کہ:اقامت کہنے والا صلاۃ وفلاح میں جو اپنا سر پھیرتا ہے وہ ان لوگوں کے لیے ہے کہ جو اقامت کے انتظار میں بیٹھے ہوتے ہیں۔

غرض:مسئلہ کی مزید جزئیات سے تائید،اوررموز کی وضاحت۔

عربی عبارات

درمختار:"(ویلتفت فیہ) وکذا فیھا مطلقا، وقیل إن المحل متسعا (یمینا ویسارا)

Go To Index

فقط؛لئلا یستدبر القبلة (بصلاة وفلاح).“[1]

جد الممتار:”قال: أي: "الدرّ": وكذا فيها مطلقاً:الأصحّ أنّ "الصّلاة" عن يمينه و "الفلاح"عن شماله ست،شم،قع،ضح،والإقامة كذلک"قنية".أي:مجدالأئمّة الترجماني وشرف الأئمّة المكّي،والقاضي عبد الجبّار،و"الإيضاح"أوضياءالأئمّةالحجحي.وفيه عن "الملتقط":(لا يحوّل رأسه في الإقامة عند"الصّلاة"و"الفلاح"إلاّلأناس ينتظرون الإقامة)“[2]

مقولہ نمبر(815):اذان واقامت میں بعد والے کلمات کو پہلے پڑھ دیا تو کیا حکم ہو گا؟

علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمۃ نے مسئلہ بیان کیا کہ:اگر اذان واقامت میں بعد میں آنے والے کلمات کو پہلے کہہ دیا مثلاً ”فلاح“کو ”صلاۃ“پر مقدم کر دیا تو جن کلمات میں ترتیب الٹ ہوئی،صرف انہی کا اعادہ کیا جائے گا مکمل اذان یا اقامت کا نہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے ”خانیہ“ کے حوالے سے اس اعادے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:ایسا اس لیے تاکہ نظم اذان کی رعایت کی جاسکے۔”خانیہ“

غرض: مسئلہ کی علت کا بیان۔

عربی عبارات

در مختار:”ولو قدم فيهما مؤخرا أعاد ما قدم فقط.“[3]

جد الممتار:”قال:أي:"الدرّ":أعاد ما قدّم:مراعاةً للنظم.““خانية“.[4]

1...(حصکفی،علاؤالدین،العلامۃ محمد بن علی بن محمد،در مختار،ج2،ص66)

2...(اعلیٰ حضرت،امام احمد رضاخان،جد الممتار،ج3،ص52)

3...(حصکفی،علاؤالدین،العلامۃ محمد بن علی بن محمد،در مختار،ج2،ص69)

4...(اعلیٰ حضرت،امام احمد رضاخان،جد الممتار،ج3،ص53)

Go To Index

مقولہ نمبر (816): دورانِ اذان مؤذن کے لیے چھینک پر الحمد کہنے کا حکم:

"درمختار" میں بیان ہوا کہ مؤذن اذان و اقامت کے دوران گفتگو نہیں کرے گا، حتی کہ سلام کا جواب بھی نہیں دے گا، اگر کلام کیا تو اذان نئے سرے سے دوبارہ کہی جائے گی۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اس کے تحت فرمایا کہ: مؤذن چھینک کا جواب بھی نہیں دے گا۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ اس کے تحت ارشاد فرماتے ہیں کہ: اگر مؤذن کو خود چھینک آجائے تو اس کے متعلق "قنیہ" میں علامہ رکن الائمۃ الصباغی کے حوالے سے منقول ہے کہ: مؤذن کو اگر اذان کے دوران چھینک آجائے تو وہ حمد کہے گا اور دوسرا شخص اس کا جواب دے گا۔ اور علامہ مجد الائمہ الترجمانی، اور قاضی عبد الجبار سے منقول ہے کہ: مؤذن حمد بھی نہیں کہے گا۔

غرض: اختلاف کا بیان۔

عربی عبارات

در مختار: "(ولا يتكلم فيهما) أصلا ولو رد سلام، فإن تكلم استأنفه."[1]

رد المحتار: "(قوله: ولو رد سلام) أو تشميت عاطس."[2]

جد الممتار: قوله: "أو تشميت عاطسٍ: أمّا الحمد على العُطَاس ففي "القنية": (كص (ركن الأئمّة الصباغي) عطس المؤذّن حال الأذان يحمده ويشمّته غيره مت، قع (أي: مجد الأئمّة الترجماني والقاضي عبدالجبّار) لا يحمده)."[3]

---

1 ... (حصکفی، علاؤ الدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص69)

2 ... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، رد المحتار، ج2، ص69)

3 ... (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص53)

Go To Index

بعد اذان درود وسلام کا پس منظر

مقولہ نمبر (820): اذان کے بعد صلوۃ وسلام کب شروع ہوا؟

صاحب در مختار نے بیان کیا کہ: اذان کے بعد صلوۃ وسلام کی ابتداء سن 781ھ کو سوموار کے دن عشاء کی اذان کے وقت ہوئی، پھر جمعۃ المبارک کے دن، پھر دس سال کے بعد مغرب کے علاوہ تمام اذانوں کے بعد صلوۃ وسلام شروع ہوا، اور یہ بدعت حسنہ ہے۔

اس کے تحت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اسی طرح "نھر الفائق" میں علامہ سیوطی کی "حسن المحاضرۃ" سے یہی بات منقول ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ کی "حسن المحاضرۃ" کی عبارت جلد 2، صفحہ 182 پر سن 781ھ کے حوالے سے ہے کہ: اس سال کے ربیع الآخر میں سوموار کے دن عشاء کی اذان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا، اور یہ جمعۃ المبارک تک جاری رہا۔ یعنی ایسا نہیں کہ سوموار کے بعد جمعہ کو ہوا (جیسا کہ در مختار کے الفاظ سے ظاہر ہے) بلکہ سوموار سے جمعہ تک جاری رہا۔) پھر دس سال کے بعد سوائے مغرب کے ہر اذان کے بعد یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔

غرض: محولہ کتاب کی عبارت کا ذکر اور درست مسئلہ کا بیان۔

عربی عبارات

در مختار: "التسليم بعد الأذان حدث في ربيع الآخر سنة سبعمائة وإحدى وثمانين في عشاء ليلة الاثنين، ثم يوم الجمعة، ثم بعد عشر سنين حدث في الكل إلا المغرب، ثم فيها

Go To Index

مرتين، وهو بدعة حسنة."[1]

ردالمحتار: "كذا في النهر عن حسن المحاضرة للسيوطي."[2]

جد الممتار: قوله: "عن "حسن المحاضرة" للسيوطي: عبارتها 2/182، في ذكر سنة إحدى ثمانين أي: وسبع مائة: (وفي ربيع الآخر في هذه السَنَةِ، أحدث السّلام على النبيّ صلّى الله تعالى عليه وسلّم عقب أذان العشاء ليلة الاثنين مضافاً إلى ليلة الْجُمُعة. ثُمّ أحدث بعد عشر سنين عقب كلّ أذان إلاّ المغرب) اهـ."[3]

مقولہ نمبر (821):

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے "ردالمحتار" میں "القول البدیع" کے حوالے سے نقل کیا کہ: سن 791ھ میں اذان کے بعد صلوۃ وسلام پڑھنے کی ابتداء سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمۃ کے حکم سے ہوئی۔

اعلی حضرت اس عبارت کے تحت ارشاد فرماتے ہیں کہ: "القول البدیع" کے اندر تاریخ (791ھ) کا تذکرہ تو نہیں ہے۔ علامہ سخاوی علیہ الرحمۃ نے تو یہ فرمایا ہے کہ: مؤذنین نے فجر اور جمعہ کی اذان کے علاوہ بقیہ نمازوں کی اذانوں کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام پڑھنے کو ایجاد کیا، اور فجر وجمعہ میں اذان سے پہلے درود وسلام پڑھا کرتے تھے، سوائے مغرب کے کہ اس میں اصلاً درود پاک نہیں پڑھتے تھے کہ اس کا وقت تنگ ہوتا ہے۔ اور اس چیز کی ابتداء

1...۔ (حصکفی، علاؤ الدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص70)
2...۔ (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص70)
3...۔ (اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص54)

Go To Index

سلطان ناصر صلاح الدین ابو المظفر یوسف بن ایوب کے حکم سے ہوئی۔ اور اس کے مستحب، مکروہ، بدعت یا مشروع ہونے کے متعلق علمائے کرام کا آپس میں اختلاف ہے۔ جو لوگ اس کو مستحب کہتے ہیں ان کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ ہے ﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ﴾(الحج :77)۔ اس آیت مبارکہ میں نیکی کے کام کرنے کی ترغیب ارشاد فرمائی گئی ہے، اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ صلاۃ وسلام بڑی نیکیوں میں سے ایک ہے، اور یہ بھی کہ درود پاک پڑھنے پر ابھارنے کے متعلق کئی احادیث کریمہ بھی وارد ہوئی ہیں، ساتھ ساتھ یہ کہ روایتوں میں اذان کے بعد اور تہائی رات کے وقت اور فجر کے قریب دعا کرنے کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ ان سب میں درست قول یہ ہے کہ: یہ بدعت حسنہ ہے اور اس کے کرنے والے کو اجر دیا جائے گا اگر وہ اچھی نیت سے کرے گا۔ اور مالکیہ میں سے ایک امام ابن سہل نے تہائی رات کے وقت مؤذنوں کا تسبیح وغیرہ (اونچی آواز سے) پڑھنے کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ اور ان کے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے سونے والے پریشان ہوں گے حالانکہ اللہ تعالی نے رات کو سکون کے لیے بنایا ہے، اس میں نظر ہے، اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے)۔ یہ اختصار کے ساتھ بعض باتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

غرض: محشی کے تسامح کی نشاندہی اور مقام محولہ کی عبارت کا ذکر۔

عربی عبارات

ردالمحتار: "ثم نقل عن القول البديع للسخاوي أنه في سنة 791 وأن ابتداءه كان في أيام السلطان الناصر صلاح الدين بأمره."[1]

---

1 ... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص70)

Go To Index

جد الممتار: "قوله:أنّه في سنة 791ھ.أقول: لَم يذكر التأريخ في "القول البديع" إنّما قال: (قد أحدث المؤذّنون الصّلاة والسّلام على رسول الله صلّى الله تعالى عليه وسلّم عقب الأذان للفرائض الخمس إلاّ الصُّبح والْجُمُعة، فإنّهم يقدّمون ذلک فيهما على الأذان، وإلاّ المغرب؛ فإنّهم لا يفعلونه أصلاً لضَيْق وقتها. وكان ابتداء حدوث ذلک من أيّام السّلطان الناصر صلاح الدّين أبي المظفر يُوسف بن أيّوب وأمره، جُوزِي خيراً، وقد اختلف في ذلک هل هو مستحبّ أو مكروه أو بدعة أو مشروع؟ واستدلّ للأوّل بقوله تعالى: ﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ﴾[1] (الحج: 77) ومعلوم: أنّ الصّلاة والسّلام من أجلّ القرب، وقد تواردت الأخبار على الحثّ على ذلک مع ما جاء في فصل الدعاء عقب الأذان والثلث الأخير في الليل وقرب الفجر، والصواب من الأقوال: أنّه بدعةٌ حسنةٌ يؤجر فاعلُه بحسن نيّته، وقد نقل عن ابن سهل من المالكيّة في كتابه "الأحكام" حكاية الخلاف في تسبيح المؤذّنين في الثلث الأخير من الليل، ووجه من منع ذلک أنّه يزعج النوّام وقد جعل الله تعالى الليل سكناً، وفي هذا نظر، والله الموفّق) اهـ. ببعض اختصار."[2]

مقولہ نمبر (822): فوت شدہ نمازوں کے لیے اذان و اقامت کا حکم:

"تنویر الابصار و در مختار" میں ہے: فوت شدہ نمازوں کے لیے بلند آواز سے اذان و اقامت کہنا مسنون ہے، جبکہ جماعت کے ساتھ ادا کی جائیں، یا پھر پڑھنے والا صحراء میں ہو، اور جب گھر میں اکیلا پڑھ رہا ہو تو بلند آواز سے کہنا مسنون نہیں۔

1...(سورۃ الحج 77:22)

2...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص55)

Go To Index

اس کے تحت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: جب گھر میں اکیلا قضاء نماز پڑھ رہا ہو تو اذان و اقامت کہے گا، لیکن بلند آواز سے نہیں کہے گا۔ "ھندیہ" میں "محیط" کے حوالے سے ہے کہ: جس کی نماز فوت ہو گئی ہو اور اب وہ اس کی قضاء کرنا چاہتا ہے تو اذان و اقامت کہے گا اگرچہ اکیلا ہو یا جماعت کے ساتھ۔

اقول: (میں کہتا ہوں) کہ قضاء نماز کے لیے بلند آواز سے اذان و اقامت کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ حالانکہ ہمیں تو قضاء نماز کو چھپ کر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اسی وجہ سے تو حکم ہے کہ مسجد میں قضاء نماز نہ پڑھی جائے اسی طرح وتروں کی قضاء میں قنوت کے لیے ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ اللہ عزوجل شارح علیہ الرحمۃ پر رحم فرمائے کہ انہوں نے تفصیل بیان کی کہ قضاء نماز کے لیے بلند آواز سے اذان و اقامت اس وقت کہنا مسنون ہے جب اس کو جماعت کے ساتھ پڑھا جائے یا پھر اگر اکیلا ہو تو صحراء یا جنگل میں ہو۔ لیکن محشی علیہ الرحمۃ اس پر متنبہ نہ ہو سکے اور وہ حاشیے میں ایسی باتوں کی طرف چلے گئے کہ جن کا اس مقام سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔

غرض: مسئلہ کی تصحیح۔

عربی عبارات

در مختار: "(و) يسن أن (يؤذن ويقيم لفائتة) رافعا صوته لو بجماعة أو صحراء لا ببيته منفردا." [1]

جد الممتار: قال: "أي: "الدرّ": لا ببيته منفرداً: أي: لا يرفع صوته. قال في "الهنديّة": عن

1 ... (حصکفی، علاؤ الدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص 71)

Go To Index

"المحيط": (من فاتته صلاة في وقتها فقضاها أذّن لها وأقام واحداً كان أو جماعة) اهـ.أقول: كيف هذا وهو مأمور بإخفاء القضاء؛ لأنّها معصية، والمعصية لا يجوز إظهارها، ولذا لا تقضى في المسجد ولا يرفع اليدين عند قنوت وتر القضاء، ورحم الله الشارح ففصّل وجعل الأذان للجماعة أو للمنفرد إذا كان في مفازة، والمحشّي لَم يتنبه له وذكر كلاماً لا يتعلّق بالمقام، فافهم."[1]

مقولہ نمبر (823): وقت ختم ہونے کے بعد قضاء نماز کے لیے مسجد میں اذان دینا:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے "ردالمحتار" میں "مجتبی" کے حوالے سے یہ بات نقل فرمائی کہ: اگر مسجد میں باجماعت پڑھی گئی نماز فاسد ہو جائے، تو اگر اس نماز کو وقت کے اندر مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے، تو اذان و اقامت کا اعادہ کرنے کی حاجت نہیں، ہاں اگر وقت نکل گیا تو کسی اور مسجد میں اذان و اقامت کے ساتھ اس نماز کا اعادہ کریں۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ: جب نماز کا وقت نکل گیا تو ساری مساجد اس اعتبار سے ایک جیسی ہی ہوں گی کہ اگر قضاء نماز کے لیے ان میں اذان و اقامت کہی گئی تو لوگوں کو اشتباہ ہو گا کہ یہ ادا نماز کی اذان ہے یا قضا نماز کی! سمجھ یہ آتی ہے کہ یہاں درست عبارت "غیر المسجد" ہے یا "غیر مسجد الجماعۃ" ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ اگر مسجد کے علاوہ کسی صحراء وغیرہ میں یا جماعت والی مسجد کے علاوہ میں اس نماز کی ادائیگی کی جائے تو اذان کہی جائے۔

---

1 ... (اعلی حضرت، امام احمد رضاخان، جد الممتار، ج3، ص56)

Go To Index

اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے خود بھی سابقہ عبارات کی وضاحت میں یہ بات کہی ہے کہ قضاء نماز کے لیے مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی۔

غرض: محشی کے تسامح پر تنبیہ۔

عربی عبارات

ردالمحتار: ”وفي المجتبى: قوم ذكروا فساد صلاة صلوها في المسجد في الوقت قضوها بجماعة فيه ولا يعيدون الأذان والإقامة، وإن قضوها بعد الوقت قضوها في غير ذلک المسجد بأذان وإقامة.“[1]

جد الممتار: ”قوله: في غير ذلک المسجد بأذانٍ وإقامةٍ اهـ: أقول: إذا خرج الوقت فكلّ مسجد سواء في أنّ الأذان فيه للفائتة يؤدّي إلى التخليط، فلعلّ صوابه قضوها في غير المسجد... إلخ أو في غير مسجد الجماعة... إلخ. وقد قال المحشّي في صدر القولة: أي: (في غير المسجد؛ فإنّه لا يؤذّن فيه للفائتة)، فليحرّر.“[2]

مقولہ نمبر (824): قضاء نماز کے لیے اذان صحیح ہونے کی ایک صورت:

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے ”**امداد الفتاح**“ کے حوالے سے بیان کیا کہ: جب سب لوگوں کی نماز کسی امر عام کی وجہ سے قضاء ہو جائے تو اس صورت میں قضاء نماز کی جماعت کروانے کے لیے **مسجد میں اذان دینا مکروہ نہیں ہے**، کیونکہ یہ تاخیر معصیت نہیں ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ (فالاذان فی المسجد لا یکرہ) کے تحت فرماتے ہیں: مسجد میں

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص72)

2...(اعلی حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص57)

Go To Index

اذان دینا مکروہ نہیں ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ معہود طریقے پر دی جائے اور وہ اس طرح کہ مسجد کے منارے میں یا خارج مسجد میں کسی جگہ اذان دینا۔ وگرنہ تو مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے جیسا کہ "خانیہ"، "خلاصہ"، "بحر" اور "ھندیہ" میں مذکور ہے۔

غرض: مصنف کی مراد کی وضاحت۔

عربی عبارات

ردالمحتار: "وفي الإمداد أنه إذا كان التفويت لأمر عام فالأذان في المسجد لا يكره."[1]

جد الممتار: قوله: "فالأذان في المسجد لا يكره: أي: على الوجه المعهود وهو أن يكون على المنارة أو نحوها خارج المسجد وإلاّ فالأذان في المسجد مكروهٌ كما في "الخانية" و"الخلاصة" و"البحر" و"الهندية"."[2]

مقولہ نمبر (825): مسجد کے اندر قضاء پڑھنا مکروہ ہے۔

صاحب در مختار نے مسئلہ بیان کیا کہ مسجد کے اندر قضاء نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ نماز میں تاخیر کرنا معصیت ہے اور مسجد میں پڑھنے سے اس کا اظہار ہو گا اور معصیت کا اظہار بھی گناہ ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ: مذکورہ تعلیل سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ جب قضاء نماز کا اظہار لوگوں پر کیا جائے تو یہ مکروہ ہے، کہ اظہار گناہ ہے اگرچہ مسجد میں قضاء پڑھی جائے یا غیر مسجد میں۔

1...(شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص73)

2...(اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص57)

Go To Index

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: شامی کے باب قضاء الفوائت کے آخر میں صفحہ 771 پر علامہ شامی نے اس کراہت کی صراحت کی ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تحریمیہ ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے۔

غرض: مزید افادے کا بیان۔

عربی عبارات

در مختار: ”(ویکرہ قضاؤھا فیہ) لأن التأخیر معصیۃ فلا یظھرھا بزازیۃ.“[1]

رد المحتار: ”ویظهر من التعلیل أن المکروه قضاؤها مع الاطلاع علیها ولو في غیر المسجد.“[2]

جد الممتار: ”قوله: أنّ المکروه قضاؤھا: سیأتي آخر قضاء الفوائت صـ من المحشّي استظھاراً أنّ الکراھةَ فیه تحریمیةٌ وھو ظاھرٌ.“[3]

---

1 ... (حصکفی، علاؤالدین، العلامۃ محمد بن علی بن محمد، در مختار، ج2، ص73)
2 ... (شامی، محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار، ج2، ص73)
3 ... (اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان، جد الممتار، ج3، ص58)

Go To Index

فہرست احادیث

نمبر شمار	حدیث پاک	صفحہ
1	مُروا أولادَکم بالصّلاۃ وھم أبناءُ سبع	15
2	تجب الصّلاۃ علی الغلام إذا عقَل، والصَّوْمُ إذا أَطاق	15
3	وقت صلاۃ الظھر ما لَم یحضر العصر	43
4	قیس رُمْحٍ أو رُمْحَین	48
5	من أدرک رکعۃ من العصر	63
6	یابني عبد مناف لا تمنعوا أحدا طاف	61
7	عن ابن مسعود والذي لا إله غیره ما صلی رسول الله	73

Go To Index

”حدیث پاک“

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

” مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ “

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے،

اسے دین کی فقاہت عطا فرما دیتا ہے۔

(صحیح البخاری، جلد 4، صفحہ 85، مطبوعہ مصر)